ہم اللہ الرحمٰن الرحیم

سرنامہ

ِغ ∴ شرع از تو در حمایت و ملک از تو در اماں

ِرسخنہائے گفتنی دارد

یم بلحاظ جذبات اخلاص وعقیدتمندی

افتخار الملک حاجی نواب محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر

مہ اللہ بالعزّ والاقبال کی بارگاہ میں

ُشتہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے

رم گستری وعلمی صحبتوں کے فیوض ہیں۔

ِالی کو ہمیشہ "حامئ دین متین" رکھے۔

آمین!

خادم

خا۔

اجتہاد

فقہ اسلامی کے ہر دور...

اِجتہاد

جس میں

فقہ اسلامی کے ہر دور کی خصوصیات اور اجتہاد کا دروازہ

بند نہ ہونے پر

سیر حاصل بحث کی گئی ہے

از

خالد انصاری

بھوپال

(علوی برقی پریس بھوپال)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سرنامہ

علم از تو با کرامت و عقل از تو با فروغ ∴ شرع از تو در حمایت و ملک از تو در اماں

غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

ایک وابستۂ قدیم بلحاظ جذبات اخلاص و عقیدتمندی
اعلیٰحضرت سکندر صولت افتخار الملک حاجی نواب محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر
فرمانروائے بھوپال ادامہ اللہ بالعزّ و الاقبال کی بارگاہ میں
علمی کاوش کا ایک گلدستہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے
یہ سب کچھ حضور معلّیٰ کی کرم گستری و علمی صحبتوں کے فیوض ہیں۔
خدائے لم یزل حضور عالی کو ہمیشہ "حامیٔ دینِ متین" رکھے۔

آمین!

خادم
خالد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَاٰلِہٖ

فقہ اسلامی کی اجمالی تاریخ اگرچہ مقدمہ ابن خلدون اور کشف الظنون میں موجود ہے لیکن آجکل جو جدید مسائل پیدا ہوگئے ہیں یا ہوتے جارہے ہیں ان کے لئے کیا فقہ کی کتابیں کافی ہیں یا موجودہ حالات کے لحاظ سے جدید فقہ مرتب کی جاسکتی ہے اور حالات کا جائزہ لینے کے بعد اجتہاد کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اس سوال کے حل کرنے کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ فقہ اسلامی کو مختلف دوروں کے واقعات پر تفصیل سے بحث کی جائے اور ہر دور کے تغیرات، انقلابات، خصوصیات و امتیازات مفصل پیش نظر ہوں۔ اس کے بعد اس کا جواب خود بخود آسان ہوجاتا ہے۔ اس بحث پر علامہ محمد خضری جو مصر کے ایک مشہور فاضل اجل ہیں اُن کی تصنیف تاریخ التشریع الاسلامی ہمارے پیش نظر ہے، جس کے اکثر اقتباس پیش کئے جائیں گے۔ علاوہ ازیں محدثین و فقہا کے اقوال سے اس بات کو ثابت کیا جائیگا کہ فقہ اسلامی میں اقتضائے ضروریات کے لحاظ سے وسعت و ترقی کی گنجائش ہے اور حق اجتہاد سلب نہیں ہوا۔ فقہائے متاخرین میں سے علامہ شامی نے بھی کچھ نہ کچھ رہبری فرمائی ہے۔ موصوف کے ایک رسالے "نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف" کی عبارت قابل لحاظ ہے:۔

اعلم ان المسائل الفقهیه اما ان تکون بصریح النص وهي في الفصل الاول۔ واما ان تکون ثابتۃ بضرب اجتہاد ورای وکثیر منها ما یبنیہ المجتہد علی ما کان فی عرف زمانه۔ بحیث لو کان فی زمان العرف الحادث	جاننا چاہئے کہ مسائل فقہیہ یا صریح نص سے ثابت ہونگے جن کو ہم نے فصل اوّل میں بیان کیا ہے۔ یا اجتہاد ورائے سے ثابت ہوں گے۔ ان میں سے اکثر ایسے مسائل ہوتے جن کو مجتہد نے اپنے زمانے کے رواج کے موافق قائم کیا تھا وہ بایں طور کہ اگر وہ مجتہد

تو مپندار کہ ایں زمزمہ بے سازی ہست
گوش نزدیک لبسم آر کہ آوازے ہست

میری بے بضاعتی کی وجہ سے کہاں ہمت تھی کہ ایسی کتاب مرتب ہو سکتی

مختلف کشمکشیں اور میں ——

عرصۂ دراز سے مغرب کے بعد سے لے کر عشا تک عالی مرتبت امین الملک سلام الدین خا[ں] صاحب کے بنگلہ پر علمی مذاکرات ہوتے رہتے ہیں۔ موصوف کو خدا نے ذوق سلیم، صحت فکر و نظر کا جوہر عطا فرمایا ہے اس لئے میری دلبستگی کے لئے وہاں سب کچھ ہے۔ بقول صائب

ازخس وخارِ غرض گر پاک باشد سینہا ∴ ہیچ باغ دل کشا چوں دیدن احبا نیست

خوبیٔ بخت و حسن اتفاق کہ عالیمرتبت محمد احمد صاحب انصاری بھی وہاں رونق افروز رہتے ہیں دو تجربہ کار۔ ہوشمند مفکر و ہمدرد روزانہ ملتے اور مجھ سے ارشاد ہوتا رہتا کہ مقتضیات وقت کے لحاظ سے "اجتہاد" کے مسئلہ کو واضح ہونا چاہئے۔ بھوپال کا ماحول مجھے اس تنگ دائرہ سے نکلنے کی اجازت کیسے دیسکتا تھا۔ میں تاویلات سے کام لیتا رہا۔ بالآخر سرکار عالی کے ساتھ سفر حجاز و مصر پیش آیا۔ وہاں جو علمی فضا دیکھی، اس کے تاثرات، سرکار عالی کا کرم عالی اور اصحاب کرام کی معاونت سے یہ کتاب ہدیۂ قارئین ہے۔ اس تالیف کی غرض نہ بحث و مباحثہ ہے نہ نفرت و عناد کی اشاعت بلکہ خود کو خادم علما یقین کرتے ہوئے یہ غرض ہے کہ آج مقتضیات وقت و حالات پر غور کرنے کی سخت ضرورت ہے اور اُن پیچیدہ مسائل کو سلجھانا ہے جو قوم کے لئے ضروری ہیں۔

گرچہ از نیکاں نیم اما بہ نیکاں بستہ ام ∴ در ریاض آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

خالد

اسلامی فقہ

اسلامی فقہ کے ماخذ یہ ہیں - قرآن مجید - حدیث یعنی حضور علیہ السّلام کے ایسے اقوال یا افعال جو قرآن مجید کے مطالب کی تشریح یا توضیح کرتے ہیں - فقہا کی رائیں جن کا ماخذ بھی اگرچہ قرآن و حدیث ہی ہیں، تاہم وہ ایسے خیالات کا نتیجہ ہیں جو تبعًا اپنے زمانہ کے اقتضا اور ہر فقیہہ کے روحانی قالب میں ڈھل کر مختلف موثرات سے متاثر ہوئے ہیں - یہی وجہ ہے کہ جو شخص فقہ اور فقہا کی تاریخ لکھنا چاہتا ہے وہ اس کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ وہ ہر زمانہ کے امتیازی خصوصیات کے مطابق لکھے یا اُس کو مجتہدین کے مختلف روحانی قالبوں کے مطابق بیان کرے - روحانی خصوصیات میں حقیقی اختلاف نہ تھا - مگر ہر زمانے کے امتیازی خصوصیات نے اختلاف کو نمایاں کر دیا - حضور علیہ السّلام کی بعثت سے آج تک فقہ اسلامی پر چھ دور گذر چکے ہیں اور ہر دور کے اجتہادات اور فتاوی پر مسلمانوں کے مخصوص اجتماعی حالات کا بہت بڑا اثر پڑا ہے - تمدّنی وسعت - معاشرت اور معیشت کے تغیرات اور سیاسی انقلابات نے ہر زمانہ میں نئے نئے مسائل پیدا کئے اور اقتضائے وقت و حالات کے لحاظ سے علما و سابقین نے زمانہ کا ساتھ دیا - ان دوروں کی تفصیل یہ ہے - فقہ بعہد مبارک حضور علیہ السّلام - فقہ بعہد خلفاء راشدین - فقہ تا ایک صدی - فقہ تا ۳۵۰ھ ہجری - فقہ کا وہ دور جس میں ائمہ مجتہدین کے مسائل اجتہاد کی تحقیق کی گئی اور کثرت سے فقہی مسائل پیدا ہوئے یہ دور بغداد میں خلافت عبّاسیہ کے زوال - تاتاری غارت گری کے آغاز اور اس کے کچھ دنوں بعد مصر میں قائم رہا اور پھر ختم ہو گیا - فقہ بزمانہ تقلید محض یہ دور آج تک قائم ہے -

لقال بخلاف ما قاله اولاً ولهذا قالوا فی شروط الاجتهاد انه لابد فیه من معرفة عادات الناس فکثیر من الاحکام یختلف باختلاف الزمان لتغیر عرف اهله او لحدوث ضرورة او فساد اهل الزمان بحیث لو بقی الحکم علی ما کان علیه اولاً للزم منه المشقة والضرر بالناس ولخالف قواعد الشریعة المبنیة علی التخفیف والتیسیر ودفع الضرر والفساد والبقاء العالم علی اتم نظام واحسن احکام ولهذا تری مشائخ المذهب خالفوا ما نص علیه المجتهد فی مواضع کثیرة بناها علی ما کان فی زمانه لعلمهم بانه لو کان فی زمنهم لقال بما قالوا به

آج زندہ ہوتا تو اپنے ہر قول کے خلاف کہتا، اس بنا پر اجتہاد کے شرائط میں لوگوں نے اس کو بھی داخل کیا ہے کہ مجتہد لوگوں کے رسم ورواج سے واقفیت رکھتا ہو۔ چونکہ اکثر احکام زمانہ کے اختلاف سے اس لئے بدل جاتے ہیں کہ رواج بدل گیا کوئی نئی ضرورت پیدا ہوگئی یا زمانہ کے لوگ بُری روش پر چل پڑے۔ اس صورت میں اگر پہلا حکم باقی رہے تو اس سے لوگوں کو تکلیف اور ضرر پہونچیگا اور شریعت کے اس قاعدہ کی مخالفت لازم آجائیگی جس کی بنیاد آسانی اور دفع ضرر پر ہے تاکہ دنیا اعلیٰ درجہ کے نظم ونسق پر قائم رہے اس لئے تم دیکھتے ہو کہ مشائخ فقہ نے اکثر مواقع پر مجتہد کی منصوصات سے اختلاف کیا ہے جس کی بنیاد مجتہد کے زمانہ کے لحاظ سے ان حالات پر منحصر تھی چونکہ مشائخ یہ سمجھتے تھے کہ اگر مجتہد خود بھی ہوتے تو وہی کہتے جو یہ کہتے ہیں۔

یہ کتاب بحد امکان کاوش اور محنت سے اس لئے مرتب کی گئی ہے تاکہ بلا کسی منافست کے متانت وسنجیدگی سے اس پر غور کیا جائے اور مسلمانوں کی فلاح وصلاح کے لئے پھر راستہ پیدا ہو۔ خدائے ذوالجلال سے امید ہے کہ یہ محنت مقبول فرمائے۔ آمین۔ وہو حسبی ونعم الوکیل۔

بھوپال۔ جون ۱۹۵۱ء

خالد

۲۔ قرآن کے جو احکام نفس عمل کی کیفیت اور اُسکے اسباب، اس کے شروط اور اس کے موانع ولواحق کے لحاظ سے مجمل ہیں۔ احادیث میں ان کی جو توضیح ہے وہ اسی طریقہ میں داخل ہے جیسے نماز کے اوقات، اُس کے ادا کرنے کا طریقہ اور زکوٰۃ کی تشریح یا اور احکام قرآنی کی تفصیل۔ یہ توضیح قرآن میں داخل ہے۔

۳۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ ان چیزوں کے متعلق جو دو کھلی ہوئی چیزوں کے درمیان واقع ہیں اجتہاد فرماتے ہیں۔ مثلاً خدا نے پاکیزہ چیزوں کو حلال کیا اور ناپاک چیزوں کو حرام کر دیا لیکن ان دونوں کے مابین چند چیزیں مشتبہ تھیں، اس بنا پر حضور علیہ السّلام نے اجتہاداً ان کی توضیح فرمادی۔ ہر درندہ پنجہ دار جانور اور پالتو گدھوں کے کھانے کی ممانعت فرما دی جس کا یہ مطلب ہے کہ آپ نے ان کو ناپاک چیزوں میں شامل کر دیا، یا خدا نے سدھائے ہوئے شکاری جانور کے اس شکار کو جو ہمارے لئے کرے مباح قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بے سدھائے شکاری جانور کا شکار حرام ہے، چونکہ وہ اپنے لئے شکار کرتا ہے۔

اب ان دونوں کے درمیان ایک بات یہ ہے کہ اگر سدھا ہوا جانور شکار پکڑ کر خود بھی کچھ کھالے تو آیا وہ شکار کھایا جا سکتا ہے یا نہیں۔ حضور علیہ السلام نے اس کے کھانے کی ممانعت فرمادی۔

یا

خدا نے ایک ساتھ ماں بیٹی اور دو بہنوں کے نکاح کو حرام قرار دیا اور ان کے علاوہ جو عورتیں ہیں ان کے متعلق فرمایا وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ۔ ان کے علاوہ اور عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ اس سلسلہ میں حضور انور نے کسی عورت اور اس کی پھوپھی یا خالہ سے ایک ساتھ اجتہاداً نکاح کرنے کی ممانعت فرمائی اور اس کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی :-

فَإِنَّكُمْ إِذَا فَعَلْتُمْ ذَٰلِكَ قَطَعْتُمْ أَرْحَامَكُمْ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو قطع رحم کیا۔ ان مثالوں سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حدیث کو قرآن کے ساتھ کیا رابطہ ہے۔

حضور علیہ السّلام پر آیات احکام ان واقعات کے جواب میں نازل ہوتی تھیں، جو

فقہ بعہد نبوی

اس دور مبارک میں فقہ کا دارومدار دو چیزوں پر تھا۔ ایک قرآن مجید جس کی حضور علیہ السلام نے تبلیغ فرمائی اور لوگوں نے آپ سے سن کر اس کو یاد کیا یا لکھا۔ اس میں آیات احکام کی تعداد تقریباً دوسو ہے۔ دوسرے قرآن مجید کی وہ توضیح جو حضور علیہ السلام نے فرمائی۔ یہ توضیح "حدیث" کے نام سے مشہور ہے۔ اس دور میں قرآن مجید کی طرح احادیث کے لکھنے کا رواج نہ تھا۔ مسند امام احمد رحمہ اللہ میں حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں جو کچھ حضور انور سے سنتا تھا اس کو لکھ لیا کرتا تھا۔ اور اس طریقہ کار سے میرا مقصد ان احادیث کا حفظ کرنا تھا۔ قریش نے مجھے منع کیا اور کہا کہ تم جو کچھ حضور انور سے سنتے ہو لکھ لیتے ہو۔ حالانکہ آپ بھی انسان ہیں اور غصہ و خوشی میں بھی گفتگو فرماتے ہیں۔ میں نے لکھنا تو چھوڑا مگر اس کا تذکرہ بارگاہ نبوی میں کیا، جس پر آپ نے ارشاد فرمایا "لکھو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مجھ سے حق کے سوا اور کچھ نہیں ادا ہوتا" صحابہ میں اکثر ایسے تھے جنہیں لکھنا نہیں آتا تھا، وہ جو کچھ سنتے تھے اس کو یاد کر لیتے تھے یا جو آپ کا طریقہ دیکھتے محفوظ کر لیتے تھے۔

آپ قرآن مجید کے شارح ہیں۔ یعنی آپ قرآن مجید کی مجمل آیتوں کی تشریح فرماتے ہیں اس کی مطلق آیتوں کو مقید فرماتے ہیں اور مشکل آیتوں کی تفسیر فرماتے ہیں۔ اس لحاظ سے آپ قرآن مجید کے مطلب کو قول سے کبھی فعل سے اور کبھی قول و فعل سے بیان فرمایا کرتے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:-

۱- وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا جو کچھ پیغمبر تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن کی طرف بھیجنا چاہا تو فرمایا کس چیز سے مقدمات کا فیصلہ کرو گے۔ عرض کیا قرآن سے۔ فرمایا اگر اس میں وہ فیصلہ تم کو نہ ملے۔ عرض کیا آپ کی سنّت کے مطابق۔ فرمایا اگر اس میں بھی وہ بات تم کو نہ ملے عرض کیا پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے رسول کے رسول کو اس بات کی توفیق عطا فرمائی جس کو خود اس کا رسول محبوب رکھتا ہے۔ لوگوں کے دلوں کو مسخر کرنے کے لئے سب سے زیادہ نرمی اور ملاطفت کی ضرورت ہے جن کی آمیزش سیاست اور حکومت کے اقتدار کے ساتھ دشوار ہو جاتی ہے۔ لوگوں کے احوال پر لحاظ مشکل ہو جاتا ہے، اس لئے پھر حضرت معاذ کو حکم دیا

"آسانی پیدا کرنا۔ دشواری نہ پیدا کرنا لوگوں کو بشارت دینا اور ان کو متنفر نہ بنانا"

"اتّفاق رکھنا اور اختلاف نہ کرنا"

جب حضرت معاذ اپنی سواری پر رکاب میں پاؤں ڈال چکے پھر فرمایا:

"لوگوں کے ساتھ خوش خلقی سے برتاؤ کرنا"

حضور علیہ السّلام کے تمام افعال و اقوال صحیح روایتوں میں موجود ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس کے متعلق یہ فیصلہ فرمایا ہے "حضور علیہ السّلام کے ارشادات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق پیغمبرانہ فرائض۔ تبلیغ رسالت اور مہمات امور دین سے ہے یہ تمام باتیں براہ راست وحی الٰہی یا تعلیم خداوندی سے ماخوذ ہیں۔ دوسری روایتیں جو عام انسانی باتیں ہیں، جن کی متعدد صورتیں ہیں۔

۱۔ کسی عارضی مصلحت یا سیاست کی بنا پر کوئی حکم جیسے طواف میں آپ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اکڑ کر چند پھیرے (طواف) کریں تاکہ قریش یہ نہ سمجھیں کہ مدینہ کے قیام نے مسلمانوں کو کمزور کر دیا۔

۲۔ وہ امور جن کو دین و رسالت سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ زمانہ کے حالات کے ساتھ وہ بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً جنگ کا طریقۂ کار۔ حکومت کے شعبوں کی ترتیب۔

۳۔ وہ امور جن کو آپ اپنی شخصی۔ قومی یا ملکی عادت کے مطابق فرماتے تھے۔ مثلاً

جماعت اسلامی میں پیدا ہو جایا کرتے تھے، جن کو اسباب نزول سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
مفسر اعظم ابن جریر طبری نے اس کی جانب خاص توجہ فرمائی ہے اور قرآن مجید سمجھنے کے لئے اس کو بنیادی اصل قرار دیا ہے۔ کبھی اس قسم کی آیات بعض مسلمانوں کے سوالات کے جواب میں نازل ہوتی تھیں۔ حضور انور نے مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ اس لئے بھیجا تھا کہ مکہ کے کمزور مسلمانوں کو بحکمت عملی لے آئیں۔ جب یہ وہاں پہونچے تو ایک مشہور فاحشہ نے خود کو ان کے لئے پیش کیا آپ نے ناجائز طریقہ سے احتراز فرمایا، البتہ نکاح کرنے کا مشروط بہ اجازت حضور علیہ السلام وعدہ فرمایا۔ جب مدینہ آئے تو حضور علیہ السلام سے یہ واقعہ عرض کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔
وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ - آخر آیت تک ــــــ "مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔ مسلمان لونڈی مشرک عورت سے بہتر ہے گو وہ تم کو پسند آئے، اور مشرک مردوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔ مسلمان غلام مشرک سے بہتر ہے گو وہ تم کو پسند ہو وہ لوگ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور خدا اپنے اذن سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے"

بیشتر احکام مسلمانوں یا غیر مسلموں کے سوال کے بعد نازل ہوئے لیکن ایسے احکام جو بغیر کسی واقعہ یا سوال کے نازل ہوئے ان کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ قرآن کریم کی مجموعی سورتوں کی تعداد ۱۱۴ ہے۔ ان میں ۲۳ سورتیں مدنی ہیں۔ انھیں میں بیشتر احکام نازل ہوئے ہیں۔
بقرہ۔ آل عمران۔ نساء۔ مائدہ۔ انفال۔ توبہ۔ حج۔ نور۔ احزاب القتال فتح۔ حجرات۔ حدید۔ مجادلہ۔ حشر۔ ممتحنہ۔ صف۔ جمعہ۔ منافقون۔ تغابن طلاق۔ تحریم۔ اذا جاء۔ قرآن مجید کا مکمل حصہ $\frac{19}{30}$ اور مدنی حصہ اس کا $\frac{11}{30}$ ہے۔

فصل مقدمات کا کام اگرچہ حضور انور بنفس نفیس انجام دیتے تھے، لیکن وسعت مملکت کے لحاظ سے آپ نے متعدد وُلاۃ وحکام کو بھی منتخب فرمایا۔ اس فرض کے ادا کرنے کے لئے تبحر علمی۔ وسعت نظر اور اجتہاد کی ضرورت تھی۔ اس لئے آپ ایسے منتخب شدہ افراد کی اجتہادی قابلیت وصلاحیت کا امتحان لیتے تھے۔

فیصلہ کرے اور تو دغابازوں کی طرف سے جھگڑنے والا نہ ہو۔

حضور انور کے ارشادات کے لئے فہم۔ تفکّر و تدبّر اور غیر معمولی حزم و احتیاط کی شرط ہے۔ حضور انور نے اپنے کلام مبارک کے لئے ایک معیار مقرر فرمایا ہے۔ حضرت ابو حمید یا عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نے فرمایا: جب تم میری کسی حدیث کو سنو تو غور کرو کہ تمھارا دل کیا گواہی دیتا ہے۔ اگر دل تصدیق کرے۔ نفس نرم ہو جائے اور عقل صحیح سمجھے تو میرے کلام ہونے میں شک نہیں ہے اور اگر دل کراہت کرے، طبیعت متنفر ہوا ور بعید از قیاس ہو تو وہ میرا قول ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ کے الفاظ ظاہری سے جو مفہوم پیدا ہوتا تھا اُس کی تصحیح مفکرین صحابہ نے فرما دی۔ چند واقعات سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مسند امام احمد جلد ۵، جس کی چند مثالیں یہ ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے خدا کی راہ میں ایک کوڑا بھی ملے تو مجھ کو کسی حرام کے بچّے کے آزاد کرنے کے مقابلہ میں پسند ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حرام کا لڑکا اگر غلام ہو تو اُس کا آزاد کرنا کوئی ثواب کا کام نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب یہ معلوم ہُوا تو فرمایا خدا ابو ہریرہ پر رحم کرے۔ اچھی طرح سنا نہیں تو اچھی طرح کہا بھی نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "فلا اقتحم العقبۃ" یعنی جب وہ گھاٹی میں گھسا نہیں۔ معلوم ہے کہ گھاٹی کیا چیز ہے، کسی کو آزاد کرنا" کسی نے کہا یا رسول اللہ ہم غریبوں کے پاس لونڈی غلام کہاں۔ کسی کسی کے پاس ایک ایک حبشن ہے جو گھر کا کام کرتی ہے اس لئے اگر اس کو حرام فعل کی اجازت ملجائے اور اس سے جو بچّے پیدا ہوں ان کو آزاد کر دیا جائے۔ اس پر آپ نے فرمایا مجھ کو خدا کی راہ میں ایک کوڑا بھی مل جائے تو مجھ کو اس کے مقابلہ میں پسند ہے کہ میں فعل حرام کی اجازت دوں اور اس کی جو بچہ پیدا ہو اُسے آزاد کراؤں۔ مستدرک حاکم۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے دم نزع نئے کپڑے منگا کر پہنے اور سبب بیان کیا

وضع ولباس ۔ فرش پرنشست ۔ کمبل اوڑھنا ۔ اونٹ یا خچر وگدھے پر سواری ۔ دسترخوان پر کھانا۔
۴۔ وہ باتیں جو عرب میں بطور قصہ وکہانی کے مشہور تھیں اور آپ نے بھی اسی طرح بطور تفنن طبع یا کسی اخلاقی نتیجہ کے لحاظ سے فرمائیں، مثلاً ام زرع کا قصہ، خرافہ کی داستان یا اسرائیلی حکایتیں۔
۵۔ عربوں کے بعض تجربات کا اظہار یا علاج وغیرہ کے متعلق ارشادات اور زراعت یا باغبانی کے متعلق بعض روایتیں۔
یہ وہ امور ہیں جن میں حضور علیہ السّلام کے ارشادات کی حیثیت انسانی باتوں کی طرح تھی۔ لیکن ان کے علاوہ دوسرے امور جن کا تعلق دین ورسالت ونبوت سے ہے مثلاً عقائد عبادات، اخلاق، اخبار معاد، اور معاملات کے فیصلے یہ سب کے سب وحی اور تعلیم ربانی سے ہیں جو دائمی اور ناقابل تغیر ہیں۔ حضرت شاہ صاحب وحی الٰہی اور اجتہاد نبوی کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں "اجتہاد نبوی کی حقیقت مجتہدین کے اجتہاد کی طرح نہیں ہوتی۔ مجتہدین کا اجتہاد کسی خاص نص سے مستنبط ہوتا ہے، اور پیغمبروں کے اجتہاد کی صورت یہ ہے کہ اللہ نے ان کو اجمالی طور سے شریعت کے اصول وقواعد کا علم منصب نبوت کے ساتھ عطا فرمایا ہے۔ اس علم کے موافق آپ وحی کی توضیح۔ احکام منصوص کی تفصیل اور کسی کلیہ کے جزئیات مسائل کی تشریح اپنے الفاظ میں فرماتے ہیں۔ پیغمبروں کا اجتہاد دیگر مجتہدین کی طرح خطا ولغزش سے پاک ومنزہ ہوتا ہے۔ پیغمبرانہ اجتہاد ورائے کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے
"اے لوگو حضور علیہ السّلام کی رائے غلطی سے پاک تھی چونکہ خدا آپ کو وہ"
"رائے بتاتا تھا، اور ہماری رائے ہمارا ازخود کہنا ہے جو ہمارے گمان پر منحصر ہے"
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد اس آیت سے مستنبط ہے: إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا۔ (نساء ۱۶)
(ترجمہ) ہم نے سچائی کے ساتھ تم پر کتاب اتاری تاکہ لوگوں کے درمیان جو خدا تجھ کو سجھائے

"احتراز فرماتے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں کتاب اللہ یا نا معلوم مسائل میں"
"خواہ مخواہ رائے زنی کروں تو کونسی زمین میرا بار اٹھائیگی اور کونسا آسمان مجھے"
"سایہ میں رکھیگا"۔

طبقات ابن سعد میں مروی ہے کہ مسند نشین خلافت ہوتے ہی تمام مسلمانوں کو مخاطب فرمایا:۔

"حضور علیہ السّلام معصوم تھے اور خدا نے آپ کو ممتاز فرمایا تھا۔ میں ایک معمولی انسان ہوں۔ اگر مجھے سیدھے راستہ پر دیکھو تو اتباع کرو اور اگر میں کج ہو جاؤں تو سیدھا کر دو۔ مسند امام احمد"

آپ نے مسائل فقہیہ کی تحقیق و تنقید کے لئے افتا کا ایک محکمہ قائم کیا جس کے ارکان حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت معاذ ابن جبل حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم جو اپنے علم و اجتہاد کے لحاظ سے ممتاز تھے، اس خدمت پر مامور تھے ان کے سوا اور کسی کو فتویٰ دینے کی اجازت نہ تھی۔ طبقات ابن سعد جلد ۲۔

عہد فاروقی

فقہ کا تمام فن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ساختہ پرداختہ ہے۔ اس فن کے متعلق ان کی قابلیت اور قوت اجتہاد و فکر کا تمام صحابہ کو اعتراف تھا۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے فرمایا فتوی دینا اس شخص کا کام ہے جو امام ہو، یا قرآن کے ناسخ و منسوخ کو جانتا ہو۔ لوگوں نے دریافت کیا ایسا کون ہے۔ فرمایا۔ حضرت عمرؓ (سنن دارمی)۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے " اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور عمرؓ کا علم دوسرے پلہ میں تو حضرت عمرؓ کا پلہ بھاری رہیگا۔
(استیعاب قاضی ابن عبد اللہ و ازالۃ الخفا صفحہ ۱۸۵)

کہ مسلمان جس لباس میں مرتا ہے اُسی میں اُٹھایا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا: خدا ابوسعید پر رحم کرے۔ لباس سے حضور علیہ السّلام کا مقصد انسان کے اعمال ہیں، ورنہ آپ کا ارشاد ہے کہ لوگ قیامت کے دن برہنہ اُٹھینگے۔

مشہور محدّث ابوبکر بن ابی شیبہ نے علاوہ مُصَنَّف کے ایک مستند کتاب از نام کتاب اقضیتہ الرسول مرتّب فرمائی ہے۔ ان کے بعد علاّمہ ابن قیّم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں منتشر طور پر حضور علیہ السّلام کے فیصلوں کو نقل کیا ہے۔ ان کے علاوہ امام ظہیر الدین مرغینانی حنفی نے اور عبداللہ بن محمد فرج مالکی قرطبی نے اقضیتہ الرسول یعنی حضور علیہ السّلام کے فیصلوں کو جمع کیا ہے ان کتابوں میں جو کچھ جمع کیا گیا ہے اس میں صرف اس کی ضرورت باقی ہو کہ اصول روایت و درایت سے ان کی تنقیح کی جائے اور پھر احکام قرآنی پر منطبق کرکے ان کو مبیّن کیا جائے۔

فقہ بعہد خلفائے راشدین

حضور علیہ السّلام کے جانشینوں کا سب سے بڑا فرض استنباط احکام و تفریع مسائل کی ایک شاہراہ قائم کرنا ہے اور مذہبی امور کو اصولی حیثیت سے منضبط و مرتب کرنا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل کے متعلق دارمی شریف میں یہ روایت ہے:۔

"حضرت ابوبکرؓ کی عدالت میں جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو پہلے قرآن پر نظر ڈالتے"
"اگر امر متنازعہ فیہ کے متعلق اس میں کوئی حکم ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ فرماتے"
"ورنہ سنت رسول اللہ کے مطابق۔ اور جب اس سے بھی کاربراری نہ ہوتی تو مسلمانوں"
"سے سوال کرتے۔ قیاسی مسائل یا نصوص قرآنی میں اپنی رائے کو دخل دینے سے"

بلکار برند بعض اشیا از سنن زوائد بہ سنن ہدی مشتبہ گردد"

یعنی غیر معمولی تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گہری نظر اس فرق پر رہتی تھی کہ جو روایتیں تبلیغ شریعت اور تکمیل انسانیت سے متعلق ہیں وہ دوسری روایتوں سے مخلوط نہ ہو جائیں اس لئے ایسی روایتیں واقعی جو زائد ہیں ان روایتوں سے مخلوط نہ ہو جائیں جن کی تعمیل ضروری ہے۔ (ازالۃ الخفا)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس امتیاز مراتب و تقسیم کی جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ حضور علیہ السلام کے بعض ارشادات کے متعلق جب بارگاہ نبوی میں انھوں نے اپنی رائے کو پیش کیا تو حضور انور نے ان کی رائے کو مستحسن قرار دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضؓ جب حسب ارشاد حضور کا نعل مبارک لے کر چلے اور کلمۂ طیبہ کہنے والے کو جنت کی بشارت دینے کا بھی ارشاد تھا تو سب سے پہلے حضرت عمرؓ ہی ان کو ملے۔ حضرت ابو ہریرہ نے نعل مبارک دکھا کر یہ بشارت بھی سنائی حضرت عمرؓ نے نعل مبارک لے لیا اور حضرت ابو ہریرہؓ کو پکڑ کر بارگاہ نبوی میں واپس لائے اور حضور علیہ السلام سے عرض کیا۔ کیا حضور نے ابو ہریرہ کو یہ حکم دیا تھا۔ فرمایا۔ ہاں۔ اس پر عرض کیا۔ یارسول اللہ آپ رہنے دیجئے ورنہ لوگ عمل چھوڑ بیٹھیں گے۔ آپ نے اس کو منظور فرمالیا۔ بعض مواقع پر تو وحی الٰہی نے حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید کی۔ قیدیان بدر۔ حجاب ازواج مطہرات نماز جنازۂ منافق سے اختلاف۔ ان تمام معاملات میں وحی ربّانی حضرت عمرؓ کے رائے کے مطابق نازل ہوئی۔ آپ کے زمانہ میں فتوحات تیزی سے بڑھتی جاتی تھیں۔ تمدن روز بروز ترقی کر رہا تھا اس لئے کثرت سے معاملات کی نئی نئی شکلیں پیش آتی تھیں۔ آپ نے ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر کر دیئے تھے، لیکن اکثر مسائل میں یہ لوگ عاجز ہو کر بارگاہ خلافت میں رجوع کرتے تھے۔ اس بناء پر آپ کو بہت سے پیچیدہ مسائل اور غیر منصوص پر غور و فکر کی ضرورت پیش آئی۔ آپ خود ہی بہت بڑے فقیہہ تھے، تاہم بنظر احتیاط اکثر مسائل کو اہل الرائے صحابہ کی مجلس میں پیش فرماتے رہتے تھے حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں "حضرت عمرؓ کی عادت تھی کہ صحابہ سے مشورہ ومناظرہ کرتے تھے تاآنکہ معاملہ صاف اور واضح نہ ہو جائے یہی وجہ ہے کہ آپ کے فتووں پر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے قرآن کی حفاظت کے سلسلہ میں کثرت روایت حدیث پر قیود عائد فرمائیں۔ ان کو بالاجمال اس طرح سمجھنا چاہئے۔ روایت کا باللفظ ہونا ضروری ہے۔ یعنی حضور علیہ السّلام کے الفاظ بجنسہٖ نقل کئے جائیں —— محض راوی کا ثقہ ہونا روایت پر اعتماد کے لئے کافی نہیں ہے، خبر واحد میں تائیدی شہادت ضروری ہے —— خبر واحد ہمیشہ قابل حجت نہیں ہوتی۔ روایت میں موقع اور محل کی خصوصیات کا لحاظ ضروری ہے آپ کے ان اصولوں پر سختی سے عمل درآمد ہونے کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کے دور میں احادیث بڑی احتیاط سے روایت کی گئیں۔ آپ کے بعد ہی پھر وسعت روایت ہو گئی۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں :۔

" ہر چند جمیع صحابہ عدول اند و روایت ہمہ مقبول۔ عمل بموجب انچہ بروایت صدوق از ایشاں ثابت شود لازم اما درمیان انچہ از حدیث و فقہ درزمن فاروق اعظم بود وانچہ بعد وے حادث شدہ فرق ما بین السموات والارض ست۔ (ازالۃ الخفا)"

یعنی ہر چند تمام صحابہ منصف ہیں اور ان کی روایتیں مقبول ہیں، جو روایتیں بصحت سند ثابت ہو جائیں وہ لازمی ہیں۔ لیکن جو ذخیرہ فقہ و حدیث کا حضرت عمر کے زمانہ میں تھا اور جو ان کے بعد پیدا ہوا اس میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمام تر توجّہ ان احادیث پر رہی جن سے عبادات۔ معاملات یا اخلاق اور جہاد کے مسائل مستنبط ہوتے تھے جو روایتیں ان سے علیحدہ تھیں ان پر چنداں اعتناء نہیں فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں :۔

"از استقراء تام معلوم شد کہ فاروق اعظم نظر دقیق میان احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع و تکمیل افراد بشر تعلق دارد و از غیر آں مصروف داشت۔ لہٰذا احادیث شمائل آنحضرت علیہ السّلام و احادیث سنن زوائد در لباس و عادات کمتر روایت می کرد بدو وجہ یکے آنکہ اینہا از علوم تکلیفیہ و تشریعیہ نیست و بہ احتمال اینکہ چوں اہتمام تمام بروایت آں

(۲۰) راستہ پر پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور کفالت کا انتظام کیا۔ (۲۱) امام اور موذن کی تنخواہ مقرر کی اور مساجد میں روشنی کا انتظام کیا اور وعظ گوئی پر پابندی عائد کی کہ بغیر خلیفہ کی اجازت کے کوئی وعظ کہنے کا مجاز نہیں ہے۔ (۲۲) نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر اتفاق کرایا۔ (۲۳) نماز تراویح کا سلسلہ قائم کیا۔ (۲۴) تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں بائن قرار دیا۔ (۲۵) فوجی یا دیگر افراد چار مہینہ سے زیادہ اپنی بیویوں سے علیحدہ نہیں رہ سکتے۔ (۲۶) ممالک مفتوحہ کی زمینوں کا فیصلہ کیا اور ان پر عمال کے مدارج مقرر کئے۔ (۲۷) عمال۔حکام اور قاضیوں کے انتخاب کے طریقوں کو جاری کیا اور سختی سے ان پر نگرانی رکھی۔ (۲۸) جابجا فوجی چھاؤنیاں قائم کیں اور رفاہ عام کے کاموں کو جاری کیا۔ (۲۹) مسائل کی اہمیت و احکام کے مدارج کی تفصیل کی۔ ان عنوانات کی تفصیل یہ ہے۔

آپ سے لوگوں نے خلیفہ خلیفہ رسول اللہ کہکر خطاب کیا۔ آپ نے فرمایا یہ تو طولانی بات ہے تم مسلمان ہو اور میں تمھارا امیر ہوں۔ اس لئے امیرالمؤمنین سے خطاب کرنا مناسب ہے۔ طبری جلد ۵۔

سنہ ہجری کا نفاذ۔ اسلام سے پہلے متعدد قوموں میں اپنے اپنے سنہ جاری تھے۔ عرب جاہلیتہ کی زندگی اس قدر متمدن نہ تھی کہ وہ اپنے سنہ کی ضرورت کو محسوس کرتے۔ اوقات و موسموں کی یادداشت کے لئے ملک کا کوئی مشہور واقعہ لے لیتے اور اُسی سے وقت کا حساب لگا لیتے۔ منجملہ سنین جاہلیتہ کے ایک سنہ عام الفیل تھا۔ یعنی ابرہہ کے حجاز پر حملہ کرنے کا سال۔ عرصہ تک یہی واقعہ عرب کے حساب و کتاب میں بطور سنہ کے مستعمل رہا۔ اسلام آنے کے بعد صحابۂ کرام کا یہ قاعدہ تھا کہ عہد اسلامی کے واقعات میں سے کوئی اہم واقعہ لے کر اسی سے حساب لگاتے رہتے بعثت نبوی سے مکہ کی زندگی ۱۳ سنہ نبوی پر ختم ہوگئی۔ مدینہ سے ہجرت کر جانے کے بعد اس آیت أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا۔ (سورۃ حج) اس واقعہ یعنی اجازت جہاد سے سنہ اذن قائم کرلیا۔ پھر حجۃ الوداع سے سنہ قائم کیا۔ علامہ بیرونی نے آثار الباقیہ میں اس طرح کے دس سنوں کا تذکرہ کیا ہے۔ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد عرصہ تک یہی حالت رہی۔ لیکن

مشرق و مغرب میں عمل ہوا" حضرت شاہ صاحب نے بڑی جامعیت سے ارشاد فرمایا ہے :-

"سینۂ فاروق اعظم را بمنزلۂ خانہ تصوّر کن کہ درہائے مختلف دارد۔ در ہر درے صاحب کمالے نشستہ در یک در مثلاً سکندر ذو القرنین با آنہمہ سلیقۂ ملک گیری و جہاں ستانی و جمع جیوش و برہم زدن اعدا۔ در در دیگر نوشیروانے باآں ہمہ رفق ولین و رعیت پروری و دادگستری اگرچہ ذکر نوشیرواں در بحثِ فضائل حضرت فاروق اعظم سوءِ ادبی ست۔ در در دیگر امام ابو حنیفہ یا امام مالکے باآں ہمہ قیام بعلم فتوی واحکام در در دیگر مرشدے مثل سیّدی عبد القادر جیلانی یا خواجہ بہاء الدین در در دیگر محدثے بروزن ابو ہریرہؓ و عبد اللہ بن عمر و در در دیگر حکیمے مانند مولانا جلال الدین رومی یا شیخ فرید الدین عطار و مردماں گرداگرد ایں خانہ ایستادہ اند و ہر محتاجے خود را از صاحب فن درخواست بنماید و کامیاب می گردد"

یوں تو فقہ کے مسائل مصنف ابن شیبہ میں بتصریح حضرت شاہ صاحب آپ سے ایک ہزار منقول ہیں۔ لیکن آپ نے اپنے زمانہ خلافت میں نظام حکومت کا جو آئین بنایا یا اصلاحات نافذ فرمائیں اور اُن کو بلا چون وچرا صحابہ نے قبول فرمالیا ان کے عنوان اور تصریح یہ ہے جو آپکے اجتہادی ہیں۔

(۱) امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا۔ (۲) سنہ ہجری قائم کیا۔ (۳) عدالتیں قائم کیں۔ (۴) بیت المال قائم کیا۔ (۵) فوجی دفتر ترتیب دیا۔ (۶) فوج کی تنظیم جدید قائم کی۔ (۷) محکمۂ مال قائم کیا۔ (۸) اراضی کا بندوبست اور تشخیص مالگذاری کے اصول مقرر کئے (۹) اراضی مفتوحہ کے متعلق فیصلہ کیا۔ (۱۰) چنگی مقرر کی۔ (۱۱) دریائی پیداوار پر محصول لگایا۔ (۱۲) غیر قوموں کو ملک میں تجارت کی اجازت دی۔ (۱۳) غیر قوموں سے معاہدات کئے۔ (۱۴) یہ قاعدہ جاری کیا کہ عرب گو کافر ہوں غلام نہیں بنائے جاسکتے۔ (۱۵) مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کئے۔ (۱۶) غیر قوموں کو فوج و دفاتر میں ملازم رکھا۔ (۱۷) جیلخانہ بنوایا۔ (۱۸) پولیس کا محکمہ قائم کیا۔ (۱۹) تعزیرات میں اصلاح کی۔

کرتا ہے، جب آغاز اسلام کی بے سروسامانیاں اور ناکامیاں اس حد تک پہونچ گئی تھیں کہ داعیٔ اسلام کے لئے اپنے وطن میں زندگی گذارنا مشکل ہوگیا تھا۔ اسلام کی تاریخ کے دو دور ہیں ایک مکی زندگی۔ دوسری مدنی زندگی۔ پہلا دور تخم تھا۔ دوسرا اس کے برگ و بار تھے۔ پہلا دور بنیاد تھا۔ دوسرا ستون و محراب۔ پہلا روح تھا۔ دوسرا اس کا جسم۔ پہلے دور نے تحریک کو پیدا کیا تو دوسرے نے قدم رکھایا آگے بڑھا اور فتح و تسخیر کا اعلان کیا۔ دوسرے دور کا ظہور کتنا ہی شاندار ہو لیکن اوّلین بنیاد و استعداد کی عظمت پہلے ہی کو حاصل ہے۔

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را ؛ گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

ان تمام مصلحتوں کے پیش نظر سنہ ہجری قائم فرمایا تاکہ قوم اپنی ہجرت کے واقعہ سے اپنے وجود کی حقیقت کو ہمیشہ سمجھتی رہے، اور مستقبل کی تیاریاں کرتے رہے۔

عدالت آپ کے عہد خلافت میں جب تمدن کو وسعت ہوئی تو آپ نے عدالت کو انتظامی شعبہ سے بالکل علیحدہ کر دیا۔ اکابرین، مہاجرین وانصار میں سے مدینہ منورہ میں ایک مجلس قائم کی جن کے ارکان یہ تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف۔ حضرت معاذ بن جبل۔ حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔ یہ حضرات منتخب روزگار تھے۔ اور صوبوں میں حضرت ابودرداء۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم اور دیگر مشاہیر صحابہ کو آپ بھیجتے رہتے تھے۔ صحابہ کے علاوہ آپ تابعین میں سے بھی ان کی صلاحیت کا امتحان لے کر قاضی مقرر فرماتے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری کو ہدایت فرمائی کہ جو شخص معزز اور دولت مند ہو وہی قاضی مقرر کیا جائے۔ فرماتے تھے۔ دولت مند رشوت کی جانب مائل نہ ہوگا اور معزز فیصلہ میں کسی کا اثر نہ قبول کرے گا۔ سنن دارقطنی صفحہ ۵۱۲ پر آپ کا فرمان مشتمل بہ ہدایات مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:-

۱۔ قاضی کو تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہئے۔

۲۔ بار ثبوت مدعی پر ہے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں (بروایت امام شعبی رحمہ اللہ جس کا تذکرہ محمد طبری نے کیا ہے) سنہ ہجری نافذ ہوا۔ ابو ہلال عسکری نے الاوائل میں اور مقریزی نے تاریخ جلد ۲ صفحہ ۵۶ میں حضرت سعید بن مسیبؓ کی روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے صحابہ کو جمع کر کے مشورہ لیا تو حضرت علیؓ نے ہجرت سے سنہ مقرر کئے جانے کی تجویز پیش کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو منظور کر لیا۔

حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ سے تقویم و سنن کے متعلق سوال کیا گیا۔ آپ نے اس کے جواب میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس میں فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ و دیگر صحابہ نے رومی اور ایرانی سنہ اختیار کرنے میں اس لئے احتیاط فرمایا کہ یہ عیسائیوں اور مجوسیوں کا سنہ تھا اور اسلام نے کفار کے طریقہ کار کے اختیار کرنے سے منع کیا تھا۔ میرے خیال میں حافظ صاحب رحمہ اللہ کی یہ توجیہہ صحیح نہیں ہے کہ صحابۂ کرام محض قومی تعصب اور تنگ دلی کی بنا پر دوسری قوموں کی اچھی اور کارآمد باتوں سے اجتناب فرماتے ہوں۔ اس عہد کے بیشمار واقعات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کے تعصب کو صحابۂ کرام نے ہمیشہ نظرانداز فرمایا ہے۔ وہ دنیا کے تمام علمی و تمدنی ذخیرہ کو خواہ کسی قوم اور کسی ملک سے تعلق رکھتا ہو اپنا قومی ورثہ سمجھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بے شمار معاملات میں غیر قوموں کے علمی و تمدنی اصول معلوم کئے، ان میں جو باتیں کارآمد نظر آئیں بلا تامّل اختیار فرمائیں۔ دفاتر حکومت کی تقسیم خراج و محصول کا تعین جن میں ایرانی و رومی قواعد کا تتبع کیا گیا۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضور علیہ السّلام نے صحابۂ کرام کے دل و دماغ میں قومی شرف و خودداری کی روح پھونکدی تھی جب حضرت عمرؓ نے سنہ اور تاریخ کی ضرورت محسوس فرمائی تو اگرچہ متمدن اقوام کے سنہ رائج تھے لیکن ان کی طبیعت ان سنون کی جانب مائل نہ ہوئی اور ان کے سامنے جو چیزیں تھیں وہ یہ تھیں۔ اسلام کا ظہور۔ داعی اسلام کی پیدائش۔ نزول وحی کی ابتدا۔ بدر کی تاریخی فتح۔ مکہ کا فتحمندانہ داخلہ۔ حجۃ الوداع کا اجتماع۔ وفات نبوی۔ لیکن آپ نے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان باتوں کی طرف توجہ نہ کی بلکہ ہجرت کی طرف نظر گئی جو نہ تو پیدائش کا جشن ہے۔ نہ کسی ظہور کی شوکت، نہ کسی جنگ کی فتح۔ نہ کسی غلبہ و تسلط کا شادیانہ۔ نہ کسی وفات کا ماتم بلکہ اس زمانہ کی یاد

فیصلہ بھی اب تمھیں کو کرنا پڑیگا۔ کعب نے عرض کیا خدا فرماتا ہے: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۔ جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔ دو تین اور چار تک۔ اس لئے میری رائے یہ ہے کہ جب چار عورتوں کی اجازت ہے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ہر چار شبانہ روز میں ایک شبانہ روز ہر بیوی کا حق ہے۔ اس لئے اس کے شوہر کو تین دن روزے رکھنے کا اور تین راتیں عبادت کرنے کا حکم دیجئے اور ایک دن رات اس کے حق کی ادائی کا حکم دیجئے۔ حضرت عمرؓ اس استدلال کو سن کر بے حد خوش ہوئے اور فرمایا: یہ استدلال پہلی ذہانت سے بھی زیادہ تعجب خیز ہے۔ چنانچہ اسی وقت ان کو بصرہ کا قاضی بنا دیا گیا۔ طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۶۵۔

اسی طرح قاضی شریح کا انتخاب ہوا۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے بشرط پسند ہی ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کے لئے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری میں چوٹ کھاکر داغی ہوگیا۔ حضرت عمرؓ نے واپس کرنا چاہا۔ مالک نے لینے سے انکار کیا۔ اس پر نزاع پیدا ہوا، اور شریح ثالث بنائے گئے شریح نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لے کر سواری کی گئی اور پھر یہ داغی ہوا تو واپس کیا جاسکتا ہے، ورنہ آپ کو قیمت ادا کرنی چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ شرط نہ تھی اور میں تمھارا فیصلہ منظور کرتے ہوئے مالک کو قیمت ادا کرتا ہوں۔ اس کے بعد ہی ان کو کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ کتاب الاوائل الباب السابع ذکر القضاۃ۔

قاضی شریح مسلسل ساٹھ برس تک قاضی رہے۔ عبد الملک بن مروان تک ان کو کسی نے اس عہدہ سے نہ ہٹایا۔ یہ حضرت عمرؓ کی ہدایت پر سختی سے پابند رہے۔ ان کے چند واقعات یہ ہیں ان کے لڑکے نے خود ان سے کہا کہ میرا چند آدمیوں سے ایک حق پر نزاع ہے۔ واقعات بتاکر پوچھا کہ اگر میرا حق نکلتا ہو اور مقدمہ میں کامیابی کی امید ہو تو پھر میں آپ کے سامنے دعویٰ پیش کر دوں۔ قاضی شریح نے کہا: ہاں دعویٰ پیش کر دو۔ جب مقدمہ پیش ہوا اور معاملہ پر غور کیا تو اپنے لڑکے کے خلاف فیصلہ کیا۔ لڑکے نے گھر پر کہا کہ آپ نے مشورہ لینے کے بعد مجھے ذلیل کیا۔ فرمایا: جانِ پدر

۳۔ مدعا علیہ کے پاس جواب دہی کا ثبوت اور شہادت نہ ہو تو اس سے قسم لی جائیگی۔
۴۔ فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں لیکن کسی امر خلاف شرع میں صلح نہیں ہو سکتی۔
۵۔ قاضی اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کر سکتا ہے۔
۶۔ مقدمہ کی پیشی کی تاریخ مقرر ہونی چاہیئے اور اگر مدعا علیہ تاریخ معینہ پر بلا وجہ حاضر نہ ہو تو مقدمہ کی سماعت یک طرفہ کی جائے گی۔
۷۔ ہر مسلمان قابل ادائے شہادت ہے لیکن جو سزا یافتہ ہو یا جس کی جھوٹی شہادت دینا ثابت ہو اس کی شہادت قبول نہ ہو گی۔
۸۔ اخلاقی حیثیت سے قاضی کو غصہ نہ کرنا چاہیئے اور نہ گھبرانا چاہیئے۔
۹۔ جس مسئلہ میں شبہہ ہو اور قرآن و حدیث میں اس کا ثبوت نہ ہو تو اس پر بار بار غور کرو پھر قیاس کرو اور نظائر پر غور کرو۔

آپ نے کعب بن سور ازدی کو بصرہ کا اور قاضی شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ پہلے ان کی صلاحیتوں کا اندازہ فرمایا۔ یہ دونوں تابعی تھے اور آپ کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہتے تھے۔ ایک بار ایک عورت آئی اور کہنے لگی میں آپ کے پاس دنیا کے ایک بہترین شخص کی شکایت کرنے آئی ہوں۔ کوئی شخص اس سے عمل صالح میں سبقت نہیں لے جا سکتا۔ وہ رات بھر عبادت کرتا ہے۔ دن کو روزہ رکھتا ہے۔ اتنا کہنے کے بعد وہ عورت بولی بس امیرالمومنین اب آگے مجھے معاف فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: خدا تم کو جزائے خیر دے تم نے اچھی تعریف کی اور میں تمھیں معاف کرتا ہوں۔ وہ عورت واپس ہوئی۔ اس پر کعب بن سور نے عرض کیا۔ امیرالمومنین اس عورت نے بلیغ پیرایہ میں اپنے شوہر کی شکایت کی۔ فرمایا: کیسے۔ کعب نے عرض کیا اس کا مقصد یہ تھا کہ دن کو روزہ اور رات کو عبادت کے بعد پھر حق زن وشوئی کس طرح اور کب ادا ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر رض نے اس عورت کو فوراً بلوا کر تصدیق کی۔ پھر کعب سے فرمایا: اب تمھیں ان دونوں کا تصفیہ کر دو۔ عرض کیا، آپ کے سامنے اور میں فیصلہ کروں۔ فرمایا: جس بات کو تم سمجھے اور میں نہ سمجھا اس کا

فیصلہ بھی اب تمھیں کو کرنا پڑیگا۔ کعب نے عرض کیا خدا فرماتا ہے: فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۔ جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔ دو تین اور چار تک ۔ اس لئے میری رائے یہ ہے کہ جب چار عورتوں کی اجازت ہے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ہر چار شبانہ روز میں ایک شبانہ روز ہر بیوی کا حق ہے۔ اس لئے اس کے شوہر کو تین دن روزے رکھنے کا اور تین راتیں عبادت کرنے کا حکم دیجئے اور ایک دن رات اس کے حق کی ادائی کا حکم دیجئے۔ حضرت عمرؓ اس استدلال کو سن کر بے حد خوش ہوئے اور فرمایا: یہ استدلال پہلی ذہانت سے بھی زیادہ تعجب خیز ہے۔ چنانچہ اسی وقت ان کو بصرہ کا قاضی بنا دیا گیا۔ طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۶۵۔

اسی طرح قاضی شریح کا انتخاب ہوا۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے بشرط پسندی ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کے لئے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داغی ہوگیا۔ حضرت عمرؓ نے واپس کرنا چاہا۔ مالک نے لینے سے انکار کیا۔ اس پر نزاع پیدا ہوا، اور شریح ثالث بنائے گئے شریح نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لے کر سواری کی گئی اور پھر یہ داغی ہوا تو واپس کیا جا سکتا ہے، ورنہ آپ کو قیمت ادا کرنی چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ شرط نہ تھی اور میں تمھارا فیصلہ منظور کرتے ہوئے مالک کو قیمت ادا کرتا ہوں۔ اس کے بعد ہی ان کو کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ کتاب الاوائل الباب السابع ذکر القضاۃ۔

قاضی شریح مسلسل ساٹھ برس تک قاضی رہے۔ عبدالملک بن مروان تک ان کو کسی نے اس عہدہ سے نہ ہٹایا۔ یہ حضرت عمرؓ کی ہدایت پر سختی سے پابند رہے۔ ان کے چند واقعات یہ ہیں ان کے لڑکے نے خود ان سے کہا کہ میرا چند آدمیوں سے ایک حق پر نزاع ہے۔ واقعات بتا کر پوچھا کہ اگر میرا حق نکلتا ہو اور مقدمہ میں کامیابی کی امید ہو تو پھر میں آپ کے سامنے دعویٰ پیش کر دوں۔ قاضی شریح نے کہا: ہاں دعویٰ پیش کر دو۔ جب مقدمہ پیش ہوا اور معاملہ پر غور کیا تو اپنے لڑکے کے خلاف فیصلہ کیا۔ لڑکے نے گھر پر کہا کہ آپ نے مشورہ لینے کے بعد مجھے ذلیل کیا۔ فرمایا: جانِ پدر

۳۔ مدعا علیہ کے پاس جواب دہی کا ثبوت اور شہادت نہ ہو تو اس سے قسم لی جائیگی۔
۴۔ فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں لیکن کسی امر خلاف شرع میں صلح نہیں ہو سکتی۔
۵۔ قاضی اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کر سکتا ہے۔
۶۔ مقدمہ کی پیشی کی تاریخ مقرر ہونی چاہئے اور اگر مدعا علیہ تاریخ معینہ پر بلا وجہ حاضر نہ ہو تو مقدمہ کی سماعت یک طرفہ کی جائے گی۔
۷۔ ہر مسلمان قابل ادائے شہادت ہے لیکن جو سزا یافتہ ہو یا جس کی جھوٹی شہادت دینا ثابت ہو اس کی شہادت قبول نہ ہو گی۔
۸۔ اخلاقی حیثیت سے قاضی کو غصہ نہ کرنا چاہئے اور نہ گھبرانا چاہئے۔
۹۔ جس مسئلہ میں شبہہ ہوا اور قرآن و حدیث میں اس کا ثبوت نہ ہو تو اس پر بار بار غور کرو پھر قیاس کرو اور نظائر پر غور کرو۔

آپ نے کعب بن سور ازدی کو بصرہ کا اور قاضی شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ پہلے ان کی صلاحیتوں کا اندازہ فرمایا۔ یہ دونوں تابعی تھے اور آپ کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہتے تھے۔ ایک بار ایک عورت آئی اور کہنے لگی میں آپ کے پاس دنیا کے ایک بہترین شخص کی شکایت کرنے آئی ہوں۔ کوئی شخص اس سے عمل صالح میں سبقت نہیں لے جا سکتا۔ وہ رات بھر عبادت کرتا ہے۔ دن کو روزہ رکھتا ہے۔ اتنا کہنے کے بعد وہ عورت بولی بس امیرالمومنین اب آگے مجھے معاف فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: خدا تم کو جزائے خیر دے تم نے اچھی تعریف کی اور میں تمھیں معاف کرتا ہوں۔ وہ عورت واپس ہوئی۔ اس پر کعب بن سور نے عرض کیا۔ امیرالمومنین اس عورت نے بلیغ پیرایہ میں اپنے شوہر کی شکایت کی۔ فرمایا: کیسے۔ کعب نے عرض کیا اس کا مقصد یہ تھا کہ دن کو روزہ اور رات کو عبادت کے بعد پھر حق زن وشوئی کس طرح اور کب ادا ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر رض نے اس عورت کو فوراً بلوا کر تصدیق کی۔ پھر کعب سے فرمایا: اب تمھیں ان دونوں کا تصفیہ کر دو۔ عرض کیا، آپ کے سامنے اور میں فیصلہ کروں۔ فرمایا: جس بات کو تم سمجھے اور میں نہ سمجھا اس کا

کے پاس روتے ہوئے آئے تھے۔ الطرق الحکمیہ علامہ ابن قیم صفحہ ۲۵۔

تنہا حلف کو اہمیت نہ دیتے تھے۔ ثبوت کے ساتھ قسم لیتے تھے۔ چونکہ وہ ثبوت کو قسم سے اہم سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔ عادل ثبوت جھوٹی قسم سے زیادہ معتبر ہے۔ طبقات ابن سعد۔ اپنے فیصلہ پر حسب ہدایت حضرت عمرؓ نظر ثانی کے لئے تیار رہتے اور فرماتے حق بہرحال میرے فیصلہ کے مقابلہ میں زیادہ حق ہے۔ طبقات ابن سعد۔

بیت المال حضور علیہ السلام کے عہد مبارک میں جو رقم آتی تھی وہ فوراً تقسیم ہو جاتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بیت المال کے لئے ایک مکان لیا گیا تھا، مگر اس عہد میں بھی جو آتا تھا فوراً تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ وہ مکان بند ہی رہتا تھا۔ جب حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہوا تو بیت المال میں صرف ایک درہم تھا۔ ۱۵ھ ہجری میں جب حضرت ابوہریرہؓ بحرین سے ۱۵ لاکھ درہم لائے تو حضرت عمرؓ نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا۔ بعض صحابۂ کرام کی رائے یہ تھی کہ مثل سابق فوراً تقسیم کر دیا جائے اور بعض اس کے مخالف تھے۔ ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے سلاطین شام کے یہاں یہ دیکھا ہے کہ ان کے خزانہ اور دفتر کا محکمہ علیحدہ علیحدہ ہے۔ چنانچہ آپ نے مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا اور عبداللہ بن ارقم کو مہتمم خزانہ مقرر کیا۔ مدینہ منورہ کے علاوہ تمام صوبوں اور صدر مقامات میں بیت المال قائم کئے۔ کوفہ میں ایک بہت بڑا محل روزبہ مجوسی معمار نے بنایا اور اس کی عمارت کو اس قدر وسیع بنایا گیا کہ مسجد کوفہ سے اس کو ملا دیا گیا تاکہ چوری کا احتمال نہ رہے۔ (فتوح البلدان)۔ صوبہ جات اور اضلاع کے بیت المال میں جس قدر رقم جمع ہو جاتی تھی وہ وہاں کے سالانہ مصارف کے بعد اختتام سال پر صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں منتقل کر دی جاتی تھی۔ صدر بیت المال کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دارالخلافہ کے باشندوں کی جو تنخواہیں اور وظائف مقرر تھے صرف ان کی تعداد تین کرور سالانہ تھی۔ (یعقوبی)

بیت المال کے حساب وکتاب کے لئے مختلف رجسٹر و نقشے بنوائے جاتے تھے۔ چنانچہ صدقہ و زکوٰۃ کے جو مواشی آتے تھے تو ان کا رنگ۔ حلیہ اور سن تک لکھے جاتے تھے۔

تم مجھے سب آدمیوں سے زیادہ عزیز ہو۔ لیکن مجھے خدا تم سے زیادہ عزیز ہے۔ حق و انصاف تمھارے خلاف تھا اگر میں اسی وقت تم کو منع کر دیتا تو ان لوگوں کا حق ضائع ہو جاتا۔ طبقات ابن سعد جلد ۶ صفحہ ۹۲۔ قاضی شریح نے یہ قاعدہ جاری کیا کہ لڑکے کی شہادت باپ کے متعلق اور باپ کی لڑکے کے متعلق، بیوی کی شوہر کے متعلق، شوہر کی بیوی کے متعلق، آقا کی شہادت غلام کے متعلق اور غلام کی آقا کے متعلق اور اجرت کرنے والے کی جس کے یہاں وہ اجرت کر رہا ہو ناقابل قبول قرار دی جائے گی۔

ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی زرہ کہیں کھو گئی اور ایک ذمی کے ہاتھ آ گئی۔ حضرت علیؓ نے قاضی شریح کے اجلاس پر دعویٰ دائر کیا۔ قاضی صاحب نے ذمی سے پوچھا تمھارا کیا جواب ہے ذمی نے کہا میری ملکیت کا ثبوت یہ ہے کہ زرہ میرے قبضہ میں ہے۔ قاضی صاحب نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس کیا شہادت ہے کہ آپ کی زرہ گر گئی تھی۔ آپ نے فرمایا: میں اپنے لڑکے امام حسن علیہ السلام اور قنبر کو پیش کرتا ہوں۔ قاضی صاحب نے کہا قنبر کی شہادت مقبول ہے، مگر امام حسن کی شہادت مسترد کرتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، رسول اللہ نے فرمایا ہے: الحسن والحسین سیدا شباب اہل الجنۃ۔ قاضی صاحب نے کہا یہ بالکل بجا ارشاد ہے۔ مگر میں بیٹے کی شہادت باپ کی موافقت میں تسلیم نہیں کرتا۔ حضرت علیؓ نے ان کا یہ فیصلہ تسلیم کر لیا۔ اس واقعہ سے یہودی بیحد متاثر ہوا اور بولا زرہ واقعی آپ کی ہے۔ میں اسلام لاتا ہوں۔ اس لئے کہ امیر المومنین نے اپنے بنائے ہوئے قاضی کے فیصلہ کو بلا چون وچرا مان لیا۔ حضرت علیؓ اس پر بے حد مسرور ہوئے اور پھر آپ نے وہ زرہ اسی کو مرحمت فرما دی۔ شذرات الذہب جلد اوّل صفحہ ۸۵۔

قاضی صاحب بیحد ذہین تھے۔ وہ اہل مقدمہ کے ظاہری حالات سے دھوکہ نہیں کھاتے تھے۔ ایک بار ایک عورت نے ایک مرد پر استغاثہ دائر کیا اور قاضی صاحب کے سامنے زار و قطار رونے لگی امام شعبی رحمہ اللہ بھی قاضی صاحب کے نزدیک بیٹھے تھے، انھوں نے قاضی صاحب سے کہا کہ یہ عورت مظلوم معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا رونا تو مظلوم ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ برادران یوسف بھی حضرت یعقوب

L455

وہی تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ آپ کے زمانہ میں فوج کو ان حصوں میں تقسیم کیا گیا۔

۱۔رُماۃ۔ تیرانداز ۲۔راجل۔پیادہ ۳۔فرسان۔گھوڑا سوار ۴۔رکبان شتر سوار

۵۔ زائد۔ جو فوج کے لئے چارہ و پانی تلاش کرے۔ ۶۔ردء۔ جو سب سے پیچھے چلے۔

۷۔قلب۔ جو بیچ میں رہتی ہے اور جس میں کمانڈر انچیف رہتا ہے۔ ۸۔مقدمہ۔ جو قلب کے آگے رہتی ہے۔ ۹۔میمنہ۔ جو قلب کے داہنے بازو پر رہتی ہے۔ ۱۰۔میسرہ۔ جو قلب کے بائیں بازو پر رہتی ہے۔ ۱۱۔طلیعہ۔جو گشت کرتی ہے تاکہ دشمن کی دیکھ بھال ہو سکے۔

۱۲۔ ساقہ، جو قلب کے پیچھے رہتی ہے۔

فوج کے ساتھ افسر خزانہ۔ محاسب۔ قاضی۔ چند مترجم۔ طبیب اور جراح رہتے تھے فوج کو تنخواہ کے علاوہ کپڑا بھی ملتا تھا اور سفر کے لئے بھتہ جس کو معونتہ کہتے تھے۔

تقسیم کے لئے امراءالاعشار تھے وہ اپنے ماتحت عریف کو جو دس آدمیوں پر سردار ہوتا اُس کو رقم ادا کرتی تھی۔شام و عراق کے باشندے جو مسلمان ہو جاتے ان کو خبر رساں و جاسوس مقرر کیا جاتا تھا۔ اور ان کو ان کے قدیم وضع میں اپنے اسلام کو مخفی رکھتے ہوئے ادائے خدمت کا فرض ادا کرنا ہوتا تھا۔معلومات و خبر رسانی پر حضرت عمرؓ اس قدر حاوی تھے کہ علامہ طبری رحمہ اللہ نے فرمایا "حضرت عمرؓ پر اپنے عمّال کی کوئی بات پوشیدہ نہ رہتی تھی"

آلات حرب میں تلوار۔ تیر۔ بھالے۔ نیزے۔ منجنیق تو قدیم سے تھے مگر ایک آلہ" دبابہ" ایجاد ہوا جس کو اس ترقی یافتہ عہد میں ٹینک کہا جاتا ہے،جس میں دو تین درجے ہوتے تھے۔ اس میں بحفاظت تیرانداز۔ سنگ انداز اور نقب زن بیٹھتے تھے۔اس میں پہیئے لگے ہوتے تھے۔ ہر بڑے مقام پر چار چار ہزار گھوڑوں کے اصطبل تھے۔چنانچہ ۹ جگہہ اس کا انتظام تھا۔علاوہ سواروں کے پاس کے گھوڑوں کے ۳۶ ہزار گھوڑے ہمیشہ تیار رکھے جاتے تھے۔

محاصل اراضی اور حقوق اراضی

فتح عراق کے بعد حضرت عمرؓ کے پیش نظر یہ مسئلہ تھا کہ اراضی مفتوحہ کس کی ملکیت میں رہیگی۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ و دیگر اکابر صحابہ

مواشی کی وصولی میں آپ کی ہدایت یہ تھی کہ زکوٰۃ میں بہترین مال وصول نہ کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے ایک بار عمدہ بڑے بڑے تھن والی بکری بیت المال میں دیکھی تو فرمایا اس کے مالک نے اس کو بخوشی تو نہ دیا ہوگا۔ اس طرح مسلمانوں کو صدقہ وزکوٰۃ سے نہ بدکاؤ۔ موطا امام مالک۔

فوج کی تنظیم

آپ نے اپنے دور خلافت میں فوج کی جو تنظیم کی وہ ایک "اعجاز" ہے۔ فوج کی بھرتی کا سلسلہ جس کی ابتدا مہاجرین و انصار سے شروع ہوئی تھی وسیع ہو کر تمام عرب کو محیط ہو گیا۔ مردم شماری کے رجسٹر تیار ہوئے۔ بحرین جو عراق سے ملحق ہے وہاں تک کے تمام قبائل کا رجسٹر تیار ہوا۔ کوفہ۔ بصرہ۔ موصل۔ فسطاط۔ حیرہ وغیرہ تک جس قدر قبائل آباد تھے سب کی اسم نویسی ہوئی۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ہر سال تیس ہزار نئی فوج تیار ہو کر میدان میں آتی تھی۔ بحیثیت مجموعی تقریبًا دس لاکھ فوج تیار ہو چکی تھی۔ صرف کوفہ کی نسبت علامہ طبری نے لکھا ہے کہ وہاں ایک لاکھ آدمی لڑنے کے قابل بسائے گئے جن میں ۴۰ ہزار باقاعدہ فوج تھی۔ اصول یہ تھا کہ ہر بچہ پیدا ہونے کے بعد سے تنخواہ کا مستحق ہوتا تھا۔ یعنی ہر مسلم بچہ اسلام کا ایک سپاہی ہے۔ ان کے مشاہرات کا تناسب یہ تھا۔

جو لوگ جنگ بدر میں شریک تھے	۵۰۰۰	درہم سالانہ
مہاجرین حبش اور شرکاء جنگ احد	۴۰۰۰	درہم سالانہ
فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے ہجرت کی	۳۰۰۰	درہم سالانہ
جو فتح مکہ میں ایمان لائے	۲۰۰۰	درہم سالانہ
جو قادسیہ اور یرموک میں شریک تھے	۲۰۰۰	درہم سالانہ
اہل یمن	۴۰۰	درہم سالانہ
قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین	۳۰۰	درہم سالانہ
بلا امتیاز مراتب	۲۰۰	درہم سالانہ

جن لوگوں کے نام درج ہوئے ان کے بیوی اور بچوں کی بھی تنخواہیں مقرر ہوئیں اور ان کے غلاموں کی بھی

بہت جلد عراق کے خراج کی آمدنی دس کروڑ بیس ہزار درہم سالانہ تک پہونچ گئی۔ جب خراج آتا تھا تو دس متدین اشخاص کوفہ سے اور دس بصرہ سے طلب کئے جاتے تھے اور حضرت عمرؓ ان کو چار دفعہ شرعی قسم دلاکر دریافت فرماتے تھے کہ یہ مالگذاری کسی مسلمان یا کسی ذمّی سے بجبر و ظلم تو وصول نہیں کی گئی۔ کتاب الخراج قاضی ابویوسف۔ عراق کے علاوہ شام و مصر میں جس قسم کا بندوبست تھا، قائم رکھا۔ البتہ حالات کے لحاظ سے جزوی اصلاحات فرمائیں۔ وہاں کے دفاتر کی قدیم سے جو زبان تھی اُس کو بھی قائم رکھا۔ نوعیت قبضہ کے لحاظ سے یہ وضاحت کی گئی۔ خراجی۔ عشری۔ عشری اس زمین کا نام تھا جس پر مسلمان قابض تھے جس کے اقسام یہ ہیں :-

۱۔ عرب کی زمین جو اوائل اسلام ہی میں مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی تھی جیسے مدینہ منورہ کی اراضی۔ ۲۔ جو زمین کسی ذمّی کے قبضہ سے نکل کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئی ہو مثلاً لاوارث مرگیا یا مفرور ہوگیا یا اس نے استعفیٰ دیدیا۔ ۳۔ جو افتادہ اراضی کسی مسلمان نے آباد کرلی ہو۔ اس کی یہ شرح مقرّر فرمائی کہ پیداوار کا دسواں حصہ لیا جاتا تھا۔ جس کا حکم حضور علیہ السلام سے ثابت ہے۔

دیگر وسائل آمدنی میں حضرت عمرؓ نے تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرّر فرمائی۔ عشور کو جاری کیا۔ یہ اس وجہ سے کہ مسلمان جب غیر ممالک میں تجارت کے لئے جاتے تھے تو اُن سے دس فیصدی ٹیکس لیا جاتا تھا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے آپ کو مطلع کیا۔ آپ نے حکم دیا کہ ان ملکوں کے تاجر جو ہمارے ملک میں آئیں ان سے بھی اسی قدر ٹیکس لیا جائے۔ منبج کے عیسائیوں نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ ہم کو عشور ادا کرنے پر عرب میں تجارت کرنے کی اجازت دی جائے۔ آپ نے منظور کرلیا اور پھر ذمّیوں اور مسلمانوں پر بھی یہ قاعدہ جاری کر دیا گیا۔ وہ اس طرح کہ باہر والوں سے ۱۰ فیصدی۔ ذمّیوں سے ۵ فیصدی اور مسلمانوں سے ڈھائی فیصدی۔ یہ محصول خاص تجارت کے مال پر لیا جاتا تھا۔ اور اس کی درآمد برآمد کی میعاد ایک سال تھی۔ یہ بھی قاعدہ تھا کہ دوسو درہم سے کم قیمت کے مال پر کوئی محصول نہ تھا۔

کی یہ رائے تھی کہ جن کی تلواروں سے ملک فتح ہوا ہے انہیں کو اراضی ملنا چاہئے۔ حضرت عمرؓ کی یہ رائے تھی کہ مفتوحہ اراضی حکومت کی ملک ہے جس سے آئندہ نسلیں بھی متمتع ہو سکیں۔ اس اختلاف رائے کی وجہ سے آپ نے پانچ ذمہ دار مہاجرین میں سے اور پانچ افراد انصار کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج سے منتخب کئے اور ان حضرات کے سامنے اس مسئلہ کو پیش کیا۔ کئی دن تک بحث ہوتی رہی، بالآخر حضرت عمرؓ نے اپنے نظریہ کی تائید میں قرآن مجید کی اس آیت کو پیش کیا۔ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ (تا) وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ۔ اس آیت کے آخری حصہ سے حضرت عمرؓ نے یہ استدلال کیا کہ فتوحات میں آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے۔ اس استدلال پر سب متفق ہو گئے اور یہ فیصلہ صادر ہوا کہ جو ممالک فتح کئے جائیں وہ فوج کی ملک نہیں ہیں بلکہ حکومت کی ملک ہیں اور قابض اراضی کو بیدخل نہیں کیا جائیگا۔ مسلمان فوج کے نام یہ فرمان جاری کیا

"چونکہ لوگوں کے روزینے مقرر کر دیئے گئے ہیں اس لئے آئندہ کوئی مسلمان زراعت نہ کرنے پائے"

عراق میں جو مالگذاری کا طریقہ تھا وہ یہ تھا کہ ہر قسم کی مزروعہ اراضی پر ایک خاص شرح لگان تھی جو تین قسطوں میں ادا کی جاتی تھی۔

یہ طریقہ قباد نے قائم کیا تھا اور نوشیرواں نے تکمیل کی تھی۔ خسرو پرویز نے اس پر اضافہ کیا اور یزدگرد نے اور تبدیلیاں کیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان بن حنیف کو جو فن مساحت سے واقف تھے اور حذیفہ بن یمان کو بندوبست کا کام سپرد کیا۔ ان حضرات نے بڑی احتیاط سے پیمائش کی پھر شرح ذیل لگان مقرر کیا۔ گیہوں پر۔ فی جریب یعنی پون بیگہ۔ ۲ درہم سالانہ جو پر۔ فی پون بیگہ۔ ۱ درہم سالانہ۔ نیشکر پر ۶ درہم سالانہ۔ کپاس پر ۵ درہم سالانہ انگور پر دس درہم سالانہ۔ نخلستان پر ۱۰ درہم سالانہ۔ تل پر ۸ درہم سالانہ۔ ترکاریاں ۳ درہم سالانہ۔ افتادہ اراضی ممکن الزراعت پر ایک درہم سالانہ۔ اس بندوبست سے

"میں نے ان کے لئے یہ حق بھی رکھا ہے کہ جو شخص بڑھاپے کے سبب سے معذور ہو یا اُس پر کوئی آفت آجائے، یا وہ پہلے مالدار تھا پھر فقیر ہوگیا یہاں تک کہ اس کے ہم مذہب اس کو خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیہ معاف ہوگا، اور اسے اور اس کے بیوی بچوں کو بیت المال سے مصارف دیئے جائیں گے۔ کتاب الخراج "

یہ بھی احکام تھے کہ ان کے جاڑے۔ گرمی کے کپڑے۔ ان کے کھانے کا سامان ان کے مواشی جن سے وہ کھیتی کرتے ہوں خراج کی وصولی میں نہ لئے جائیں۔ نہ کسی کو سزائے تازیانہ دی جائے نہ کسی کو دھوپ میں کھڑا کیا جائے اور نہ ان کی کوئی چیز نیلام کی جائے۔ (کتاب الخراج قاضی ابو یوسفؒ)

ذمیوں کے جو حقوق قائم کئے گئے ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ذمی کے خون کا معاوضہ مسلمان کے خون کے برابر ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کریگا تو اُس کا قصاص اُسی طرح لیا جائیگا جس طرح مسلمان کا۔ حضور علیہ السلام کی ہدایت بھی تھی کہ حضور کے عہد مبارک میں ایک ذمی کو مسلمان نے قتل کیا تو آپ نے قصاص کا حکم دیا اور فرمایا اس کے ذمہ کو پورا کرنے کا سب سے زیادہ میں حقدار ہوں۔

۲۔ تعزیرات میں ذمی اور مسلمان کا درجہ برابر ہے۔ جرائم کی جو سزا مسلمان کو دی جائے گی وہی ذمی کو دیجائے گی۔

۳۔ دیوانی قانون میں بھی ذمی اور مسلمان کا درجہ مساوی ہے۔ اموالھم کاموالنا ان کے مال کی بھی ویسی ہی حفاظت کی جائیگی جیسے ہمارے مال کی۔ اس بارے میں ذمیوں کے حقوق کا اتنا لحاظ رکھا گیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان ان کے سُور یا شراب کو تلف کردے تو مسلمان قیمت ادا کریگا۔ درمختار میں ہے۔ ویضمن المسلم قیمۃ خمرہ وخنزیرہ اذا اتلفہٗ۔

۴۔ ذمی کو زبان یا ہاتھ پاؤں سے تکلیف پہنچانا۔ گالی دینا۔ مارنا پیٹنا۔ غیبت کرنا ممنوع ہیں۔

۵۔ عقد ذمہ مسلمان پر قطعاً لازم ہے۔ یعنی وہ اس عہد ذمہ کو توڑ نہیں سکتے۔ تاآنکہ ذمی سازش یا علانیہ بغاوت کرے یا اسلامی خطہ کو چھوڑ کر چلا جائے اور ذمی مختار ہے جب چاہے عہد توڑ دے۔

ذمیوں کے ساتھ سلوک آپ نے جن ممالک کو فتح کیا اور وہاں کے باشندوں سے جو معاہدے کئے ان کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ عدل و مساوات کو بحد انتہا ملحوظ رکھا گیا۔ بیت المقدس کا معاہدہ یہ ہے:

"یہ وہ امان ہے جو خدا کے بندے عمر امیر المومنین نے ایلیا کے باشندوں کو دی ہے۔ یہ امان ان کے جان و مال۔ گرجا۔ صلیب۔ تندرست۔ بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے۔ وہ بایں طور کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت رکھی جائیگی نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کو ان کے احاطہ میں کچھ نقصان پہونچایا جائیگا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائیگی۔ مذہب کے بارے میں ان پر کسی قسم کا جبر نہ کیا جائیگا۔ نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہونچایا جائیگا۔ ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیا والوں پر لازمی ہے کہ اور شہروں کی طرح پُرامن جزیہ دیں۔ اور جو کچھ اس تحریر میں لکھا گیا ہے اس پر خدا اور اس کے رسول۔ اور خلفائے اسلام کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں۔ اس تحریر پر گواہ خالد بن الولید۔ عمرو بن العاص۔ عبد الرحمٰن بن عوف معاویہ بن ابوسفیان ہیں۔ یہ معاہدہ ۱۵ھ میں ہوا۔ تاریخ طبری۔

حضرت عمرؓ نے شام میں ایک نابینا بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا۔ پوچھا کیوں بھیک مانگ رہے ہو۔ اس نے کہا ایک تو میں محتاج ہوں دوسرے مجھے جزیہ ادا کرنا ہے۔ آپ اُس کو ساتھ لے آئے اور کچھ نقدی دے کر رخصت کر دیا۔ اور بیت المال کے افسر کو ہدایت کی کہ یہ اور اس قسم کے معذوروں پر جزیہ معاف ہے۔ اور ان کا روزینہ بیت المال سے مقرر کر دو ہم ان کو بڑھاپے میں رسوا نہیں کر سکتے۔ پھر فرمایا انما الصدقات للفقرآء والمساکین میں فقرا، سے مسلمان نادار اور مساکین سے اہل کتاب نادار مراد ہیں۔ (کتاب الخروج قاضی ابویوسف صفحہ ۱۲۶ مصری)۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے اہل حیرہ کو عہد فاروقی میں یہ حکم دیا۔

خلاصہ یہ ہے :-

"حضرت عمرؓ فارس کے چند آدمیوں کو اپنی خاص صحبت میں رکھتے تھے۔ یہ لوگ بادشاہوں کے سیاسی حالات ان کو سنایا کرتے تھے۔ خاص کر شاہان عجم کے، ان میں بھی خاص طور پر نوشیرواں کے۔ چونکہ آپ کو نوشیرواں کے آئین بہت پسند تھے اور آپ ان کو اختیار فرماتے تھے"

علامہ طبری نے اس کا اشارۃً تذکرہ کیا ہے۔ جزیہ میں جو طریقۂ وصولی تھا اس پر فرماتے ہیں وھی الوضائع التی اقتدی بھا عمر بن الخطاب حین افتتح بلاد الفارس۔ یہ وہی قاعدے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جب فارس فتح کیا تو ان کی اقتدا کی۔

مصالح شرعیہ موطا امام مالکؒ میں مروی ہے حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری فرماتے ہیں۔ رمضان میں حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد میں گیا تو لوگ جدا جدا نماز پڑھ رہے تھے۔ کوئی تنہا تھا، کسی کے ساتھ آٹھ دس آدمی تھے۔ ان کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نے فرمایا میری رائے یہ ہے کہ یہ سب لوگ ایک قاری کے پیچھے یکجا نماز پڑھیں تو بہتر ہے۔ چنانچہ آپ کے حکم سے حضرت ابی بن کعب نے سلسلۂ تراویح شروع کیا۔ دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ تراویح مع وتر کے ۲۳ رکعتیں پڑھتے تھے۔ تعداد رکعت کی بحث علیحدہ ہے اصل شو یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے پیش نظر یہ بات تھی کہ حفظ قرآن کا سلسلہ بھی باقی رہے اور رمضان میں قیام لیل سے استفادہ بھی عوام کو ہو جائے۔ اسی سلسلہ میں صدقۂ فطر کی وصولی بھی رمضان کی آخری تاریخوں میں شروع ہو جاتی تھی اور اس کو یکجا جمع کرنے کے بعد پھر غربا کو تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ مؤطا امام مالک۔

تین طلاقوں کا مسئلہ تین طلاقیں بیک وقت حضور انور کے عہد اور حضرت عمر کی ابتدائی خلافت کے زمانہ میں ایک ہی شمار کی جاتی تھیں جیسا کہ صحیح مسلم میں مروی ہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا لوگوں نے اس کام میں جس میں ان کے لئے آسانی تھی

۶۔ ذمیوں کے معاملات انھیں کے مذہبی طریقوں پر طے کئے جائیں گے۔ اسلامی قانون ان پر نافذ نہ ہوگا۔ جن افعال کی حرمت ان کے مذہب سے ثابت ہے ان سے ان کو روکا جائیگا۔ البتہ جو افعال ان کے مذہب میں جائز اور اسلام میں ناجائز ہیں انھیں وہ اپنی بستیوں میں آزادی کے ساتھ ادا کرسکیں گے اور خالص اسلامی آبادی میں حکومت اسلامی کو اختیار ہوگا کہ انھیں جس حد تک چاہے آزادی دے۔ بدائع جلد ۷ صفحہ ۱۱۳۔

۷۔ ذمی اپنا قدیم لباس استعمال کریں گے، وہ مسلمانوں کی وضع اختیار نہ کریں گے (تاکہ ان میں احساس کمتری نہ پیدا ہو) کنزالعمال میں مروی ہے کہ حضرت عمر رضؓ سے ذمیوں نے یہ معاہدہ کیا کہ ہم ہمارا ہی لباس پہنیں گے۔

۸۔ ذمی رات دن میں جس وقت چاہیں ناقوس بجائیں بجز اوقات نماز کے اور یہ صلیب اور سور مسلمانوں کے احاطہ سے نہیں نکال سکتے۔

۹۔ اگر کوئی ذمی مسلمان ہو جائے اور وہ نابالغ اولاد چھوڑ کر مرجائے تو اس کی اولاد مسلمان سمجھی جائیگی۔

بلا امتیاز مذہب وملت لُقطہ یعنی گمنام بچے جن کو ان کی مائیں شاہ راہ پر چھوڑ کر چلی جائیں ان کے لئے یہ انتظام کیا گیا کہ جہاں اس قسم کا کوئی بچہ ملے اس کے دودھ پلانے اور پرورش کا انتظام بیت المال سے کیا جائیگا۔ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ نے کتاب الخروج میں فرمایا ہے۔ جب ذمیوں نے مسلمانوں کی وفاداری اور حسن سلوک کو دیکھا اور برتا تو وہ مسلمانوں کے بڑے ہمدرد اور ان کے دشمنوں کے سب سے بڑے دشمن ہو گئے۔ فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۴۶ میں ایک واقعہ نقل کیا ہے:

"جب حضرت عمر رضؓ شام میں آئے تو اذرعات کے عیسائی ہاتھ میں ننگی تلوار یں لئے پھول برساتے ہوئے اور باجہ بجاتے ہوئے اور آپ پر بھی پھول برساتے ہوئے استقبال کے لئے آئے۔ آپ نے روکنا چاہا مگر حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے کہا آپ رہنے دیجئے یہ ان کا دستور ہے۔ اگر روکا گیا تو ان کو معاہدہ پر شک ہوگا"

علامہ مسکویہ نے تجارۃ الامم میں حضرت عمر رضؓ کے انتظامات ملکی کا تذکرہ کیا ہے جس کا

فقہ بعہد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

آپ اگرچہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما و حضرت علی کرم اللہ وجہ کی طرح اکابر مجتہدین میں نہ تھے تاہم آپ عام صحابہ میں مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے۔ بعض مسائل میں آپ سے اور عبداللہ بن مسعود و حضرت علی کرم اللہ وجہ سے باہمی اختلاف تھا۔ علم فرائض سے آپ کو خاص دلچسپی تھی۔ عہد فاروقی میں آپ اور حضرت زید بن ثابت فرائض کے معاملات طے کیا کرتے تھے۔

فقہ بعہد حضرت علی کرم اللہ وجہہ

آپ کو فقہ و اجتہاد میں کامل دسترس تھی بلکہ آپ کی مستحضرانہ قوت سب سے اعلیٰ و ارفع تھی حضرت عمرؓ آپ کے کمال علمی کے معترف تھے اور فرمایا کرتے تھے۔ اقضانا علی واقرانا ابی بن کعب۔ ہم میں مقدمات کے فیصلے کے لئے سب سے موزوں علی ہیں اور سب سے بڑے قاری ابی بن کعب ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے، مدینہ والوں میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے علی ہیں۔ مسند امام احمد میں آپ کا یہ ارشاد مروی ہے "جب تم سے کوئی شخص حضور علیہ السّلام کی روایت بیان کرے تو اس کے وہ معنی سمجھو جو زیادہ راہ راست کے جانب زیادہ بہتر اور زیادہ پرہیزگاری کے جانب مائل کریں"

تعلیقات صحیح بخاری میں ہے:۔

"لوگوں سے وہی باتیں کہو جو وہ سمجھ سکتے ہوں۔ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ خدا یا اس کا رسول جھٹلایا جائے"

عجلت شروع کی اس لئے مناسب یہ ہے کہ تین ہی طلاقوں کو ان پر جاری کر دیا جائے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین میں اس فیصلہ پر یہ توجیہہ پیش کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ ایک مصلحت کے لحاظ سے تھا نہ کہ شرعی مسئلہ کے لحاظ سے چونکہ جب لوگوں نے بکثرت بے خوف ہو کر طلاقیں دینا شروع کیا تو آپ نے بحیثیت قانون یہ حکم نافذ کیا تاکہ لوگ اس حرکت کو چھوڑ دیں۔

آپ کے پیش نظر معتقدات۔ عبادات اور اصول شرعیہ کے علاوہ دیگر حالات میں موقع و مصلحت شرعی کے لحاظ سے نفاذ احکام کا طریقہ پسندیدہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ علاوہ امور متذکرہ کے آپ نے زندگی کے تمام اصول میں اجتہاد فرما کر امت کے لئے ایک شاہ راہ عمل کو قائم فرمایا ہے۔ علامہ ماوردی نے احکام السلطانیہ میں آپ کی مصلحت بین نظر کا ایک واقعہ روایت کیا ہے جو فی الحقیقت ایک درس بصیرت ہے۔ محمد بن اسحاق نے امام زہری سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے حضرت عمرؓ کو ایک دن بہت بےچین پایا: آپ فرما رہے تھے کہ میں خلافت کے بارے میں کیا کروں۔ میں نے کہا کہ آپ علی کو خلیفہ کر دیجئے، فرمایا: بیشک وہ اہل ہیں ان میں ظرافت ہے اور اگر وہ تمہارے خلیفہ ہو گئے تو تم کو بالکل ظاہری شریعت پر چلائیں گے۔ جس کو تم بھی جانتے ہو۔ میں نے کہا پھر عثمان کو کر دیجئے فرمایا اگر میں ان کو خلیفہ کر دوں تو ابن ابی معیط (مروان) کو لوگوں پر مسلط کر دیں گے۔ پھر عرب کا التفات ان سے جاتا رہیگا۔ یہاں تک کہ انکی گردن نہ اڑا دی جائے۔ میں نے کہا تو پھر طلحہ کو کر دیجئے فرمایا: خدا کسی مغرور کو امت محمد پر کبھی مسلط نہ کریگا۔ میں نے کہا پھر سعد بن ابی وقاص کو کر دیجئے فرمایا وہ صرف سپاہی ہیں ان کو سیاست سے واسطہ نہیں۔ میں نے کہا پھر زبیر کو کر دیجئے۔ فرمایا: وہ بہادر تو ہیں لیکن بازار میں صاع و مد کا بھاؤ پوچھتے پھرتے ہیں۔ میں نے کہا پھر عبد الرحمٰن بن عوف کو کو کر دیجئے، فرمایا بڑے اچھے شخص کا نام لیا مگر وہ بہت بوڑھے ہو گئے ہیں۔ پھر فرمایا خلافت کا وہ شخص اہل ہے جو قوی ہو، مگر سخت نہ ہو۔ مسکین مزاج ہو، مگر کمزور نہ ہو۔ خرچ کرنے میں محتاط ہو مگر بخیل نہ ہو۔ سخی ہو مگر مسرف نہ ہو ——

تعلق بھی یہود و نصاریٰ سے ہے۔حضرت ابوذرؓ اس حکم کو عام سمجھتے تھے۔امیر معاویہؓ کا یہ خیال ہوا کہ یہ حضرت ابوذر کا مجتہدانہ فیصلہ ہے، اگر اسی جذبہ سے یہ فرماتے رہے تو شام میں کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔اس لئے دربار خلافت میں اطلاع بھیجدی کہ ان کو فوراً مدینہ بلوا لیا جائے۔چنانچہ آپ مدینہ طلب کئے گئے۔مدینہ پہونچے تو اب مدینہ وہ نہ تھا جو حضرت عمرؓ کے عہد میں تھا۔جہاں جاتے نئی پُرتکلف عمارتیں نظر آتیں، وہ اس منظر کو دیکھ کر گھبرا گئے۔حضرت عثمانؓ نے ہرچند فہمائش کی اور اپنے پاس رہنے کے لئے بھی کہا فرمایا: مجھے تمھاری دنیا کی ضرورت نہیں ہے۔بہرنوع وہ خود یا حضرت عثمانؓ کی فہمائش سے مدینہ چھوڑ کر ایک گاؤں میں جس کا نام ربذہ ہے چلے گئے اور وہیں آپ کا انتقال ہو گیا۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما حضرت ابوذرؓ وغیرہم کی عظمت وجلالت شان کی قدر ومنزلت عہد فاروقی میں تھی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو جو فرمان لکھا ہے وہ یہ ہے۔ اسدالغابۃ جلد ۳ صفحہ ۲۵۸۔

"اے اہل کوفہ میں نے تم پر عمار بن یاسر کو امیر اور عبداللہ بن مسعود کو معلّم و وزیر بنا کر بھیجا ہے۔ابن مسعود بیت المال کے افسر بھی ہیں۔یہ دونوں حضور علیہ السلام کے ان عظیم المرتبت اصحاب میں سے ہیں جو معرکۂ بدر میں شریک تھے اس لئے ان کی بدل وجان اطاعت کرو۔حقیقت یہ ہے کہ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو تمھارے لئے اپنی ذات پر ترجیح دی ہے"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کامل دس سال تک اپنے فرائض انجام دیئے۔آپ فقہ کے امام الائمہ تھے۔عہد عثمانی میں جب سازش اور مفسدہ پردازی کا بازار گرم ہوا تو آپ یکایک معزول کر دیئے گئے۔وہاں سے آپ مدینہ آکر خانہ نشین ہو گئے۔ایک سال حج کے موقعہ پر حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعتیں پڑھیں۔حضرت ابن مسعودؓ کو خبر ملی تو بیحد افسوس کیا اور بولے انا للہ وانا الیہ راجعون۔میں نے حضور علیہ السلام

فقہ بعہدِ بنی اُمیّہ

تا ایک صدی

حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں خاص طور پر کوئی اختلاف نہ تھا اور سب ایک مسلک میں منسلک تھے۔ حضرت عثمان رضؓ کے دور سے اختلاف کا آغاز ہوًا اور آپ کی شہادت کے بعد جو معرکے جمل اور صفین کے پیش آئے ان کی وجہ سے اور مختلف فرقے پیدا ہو گئے۔ حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ میں حضرت ابوذر رضؓ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمار بن یاسر حضرت علی کرم اللہ وجہ کو من وجہہٖ بعض مسائل میں حضرت عثمان رضؓ سے اختلاف ہوًا اس کے ساتھ ساتھ سیاسی فضا میں بھی تکدر بڑھتا گیا۔ ادھر فتوحات کی کثرت نے دولت کے دروازے کھولے اور حضرت عمر رضؓ کے دور کی سادگی اور آپ کا احتساب جب نہ رہا تو اس کی جگہ عیش وعشرت کے تکلفات نے لے لی اور یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ دولت مند اداۓ زکوٰۃ کے بعد یہ حق رکھتا ہے کہ اپنی دولت کو دفینہ بنائے یا زندگی کے تکلفات میں خرچ کرے۔ صحابۂ کرام اس سرمایہ دارانہ نظام پر متعجب تھے۔ انہیں ممتاز صحابہ میں سے حضرت ابوذر رضؓ نے آواز بلند کی کہ فاضل دولت کو عوام کے معیارِ زندگی بلند کرنے کے بجائے کیوں دفن کی جاتی ہے یا اظہارِ شوکت پر کیوں خرچ کی جاتی ہے۔ آپ نہایت بیباکی سے شام کے امراء پر اعتراض فرماتے تھے اور قرآن کریم کی اس آیت کا مورد ٹھہراتے تھے۔ وَالَّذِینَ یَکۡنِزُونَ الذَّھَبَ تا آخر آیت "جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اُس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو جہنم کی بشارت سنا دو"

اس آیت کے پہلے یہود اور نصاریٰ کا تذکرہ ہے۔ امیر معاویہ کہتے تھے کہ اس آیت کا

جو اُن کو اپنے ساتھ لائے۔ مسند امام احمد جلد (۲)

حضرت علی کرّم اللہ وجہ کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بعض مسائل میں اختلاف تھا۔ صحابۂ کرام کے علاوہ تابعین میں سے ممتاز گروہ عہد عثمانی کے نظم سے علیحدہ تھا۔

چنانچہ حضرت عامر بن عبد اللہ بن قیس بن ثابت کو (جن کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اصابہ میں فرماتے ہیں کہ وہ بڑے بلند مرتبہ اور مرتاض تابعین میں شمار کئے جاتے تھے) اہل بصرہ نے اپنا نمائندہ بناکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا، آپ نے حاضر ہوکر عرض کیا "مسلمانوں نے آپ کے عمّال کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ آپ نے بہت بڑا انتخاب کیا اور خود آپ سے اچھے اعمال سرزد نہ ہوئے۔ اس لئے خدا سے ڈریئے اور آئندہ کے لئے توبہ کیجئے" حضرت عثمانؓ نے فرمایا: لوگو ذرا انھیں دیکھو یہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر گفتگو کرنے آئے ہیں۔ لوگ انھیں قاری سمجھتے ہیں اور انھیں یہ بھی خبر نہیں کہ خدا ہے کہاں۔ عامر بن عبد اللہ نے یہ کلمات سن کر جواب دیا:

إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ تمہارا رب تاک میں ہے۔

اس آیت کو پڑھ کر کہا کہ خدا کی قسم میں خوب جانتا ہوں وہ نافرمانوں کی تاک میں ہے۔ یہ کہکر بصرہ واپس ہو گئے۔ (ابن اثیر)۔

ان واقعات نے عجیب ذہنی انتشار پیدا کر دیا۔ مسلمان کی جان۔ اس کی عزت جو قابل عظمت تھی اس کا خیال دل سے جاتا رہا۔ نہ ادب رہا، نہ احترام۔ اکابر صحابہ میں سے حضرت عثمانؓ حضرت زبیرؓ۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت عمار بن یاسر۔ حضرت حجر بن عدی شہید کر دیئے گئے۔ ہزاروں مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں ہی شہید ہوئے اور متعدد فرقے نمودار ہو گئے۔

ایک خارجی۔ دوسرا شیعیان علیؓ۔ تیسرا بنی امیہ۔ چوتھا محتاط اور غیر جانبدار۔

خوارج کا نظریہ یہ تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ و امیر معاویہ میں قرآن مجید کو حکم بنانے کی تجویز جو بروئے کار آئی یہ طریقۂ کفر تھا۔ چونکہ لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ حکم تو صرف خدا کے لئے ہے۔

حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے عہد میں یہاں وو رکعتیں پڑھیں، اب یہ کیا انقلاب ہے۔ صحیح بخاری
اس پر بھی وہ منصب خلافت کا احترام ہی کرتے رہے۔ مگر بعض مسائل میں اختلاف ہی رہا۔
حضرت عمار کی شخصیت کا اندازہ حضرت عمرؓ کے فرمان سے ہو سکتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے
آپ کے لئے یہ پیشین گوئی فرمائی تھی کہ اے عمار تم کو باغی گروہ قتل کرے گا۔ حضرت عمار
عہد فاروقی میں ایک سال ۹ ماہ تک کوفہ کے امیر رہے۔ مگر اہل بصرہ و کوفہ کی نزاع اور
حضرت عمار کی غیر جانبداری نے کوفہ کے رئیسوں کو ان سے ناراض کر دیا۔ حضرت عمرؓ کے
پاس یہ شکایت پہنچی کہ یہ امارت کے قابل نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کو مدینہ بلا لیا۔ ملاقات
ہوئی تو حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ آپ میرے اس طرزِ عمل سے ناراض تو نہیں ہیں۔
فرمایا واقعہ یہ ہے کہ نہ پہلے میں خوش تھا اور نہ اب ناخوش ہوں۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں
جب تمام ملک میں شورش و فتنہ پردازی پھیل گئی تو اس شورش کی تحقیق کے لئے حضرت عثمانؓ
نے ایک کمیشن مقرر کیا، اس کے ایک رکن حضرت عمار بھی تھے۔ فتنہ کا مرکز مصر تھا۔ یہ مصر
پہنچے اور جب وہاں سے واپس تشریف لائے تو انقلاب پسند جماعت سے متاثر تھے (طبری)۔

عام جلسوں میں علانیہ حضرت عثمانؓ اور ان کے عمال کی بے اعتدالیوں پر نکتہ چینی
فرماتے رہتے تھے۔ ایک بار حضرت عثمانؓ کے غلاموں نے آپ کو اس قدر مارا کہ تمام جسم پر
ورم آگیا اور ایک پسلی ٹوٹ گئی۔ بنی مخزوم نے کاشانۂ خلافت کو گھیر لیا اور کہا کہ اگر حضرت عمارؓ
کا اس حادثہ میں انتقال ہو گیا تو ہم ضرور بدلہ لیں گے۔ (استیعاب)۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت
کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ جنگ جمل و صفین میں شریک ہوئے۔ جنگ صفین میں
شہید ہوئے ان کی شہادت کی خبر دربار حکومت امیر معاویہ میں پہنچائی گئی وہاں حضرت عبد اللہ
بن عمرو بن العاص بھی بیٹھے تھے، انھوں نے فوراً کہا کہ سنئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا تھا کہ اے عمار تم کو باغی گروہ قتل کرے گا۔ حضرت عمرو بن العاص نے امیر معاویہ کو توجہ
دلائی۔ امیر معاویہ نے کہا کہ یہ ہمیشہ ایک نیا شگوفہ لاتے ہیں۔ درحقیقت قتل کی ذمہ داری ان پر ہے

فاسق ہے اور فاسق ہی کافر ہے۔

ان خارجیوں میں بھی بڑے بڑے علماء اور سردار ہوئے۔ حضرت عکرمہ جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد رشید ہیں، ان پر بھی بعض محدّثین نے یہ شبہہ کیا ہے کہ ان کے تعلقات خوارج سے شگفتہ تھے۔ عمران بن حطّان جو خوارج کے بہت بڑی محدث اور فقیہہ تھے ان کی روایت بھی محدّثین نے قبول نہیں فرمائی۔ انھیں خارجیوں میں سے ایک شخص عبدالرحمٰن بن ملجم کے ہاتھ سے حضرت علی کرم اللہ وجہ نے شہادت پائی۔ ان لوگوں نے اپنا نام "شیراۃ" رکھ چھوڑا تھا۔ یہ استنباط انھوں نے قرآن کی اس آیت سے کیا:۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَہُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ۔ بعض لوگ خدا کی مرضی کی جستجو میں اپنی جان بیچ دیتے ہیں۔ اس بناء پر یہ اپنے دور کے مسلمانوں سے جہاد سمجھکر لڑتے رہے۔

دوسرا فرقہ شیعیان علیؓ: ان کا اصول یہ تھا کہ خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہ کا حق ہے اور آپ ہی وصی رسول ہیں۔ خلافت کا حق جو آپ سے چھینے وہ غاصب ہے۔ اس اصل پر یہ لوگ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو غاصب سمجھتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ شیعوں کے کئی فرقے ہو گئے اور ہر ایک نے اپنی اپنی فقہ کو علٰحدہ مرتب کیا۔ ان لوگوں نے ہزارہا روایتیں بیان کیں جن کے متعلق محدّثین نے یہ طے کیا کہ وہ بالکل جھوٹی روایتیں ہیں۔

تیسرا فرقہ عثمانی کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ فرقہ حضرت علی کرم اللہ وجہ سے عناد رکھتا تھا اور اس کا خیال تھا کہ قاتلان حضرت عثمان کو حضرت علی کی حمایت حاصل تھی۔ چوتھا فرقہ محتاط اور غیر جانبدار تھا۔ اس میں بیشتر صحابہ و تابعین تھے۔ حضرت سعد وقاص فاتح ایران خانہ نشین ہو گئے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ اگر کوئی میرے گھر آکر مجھ پر تلوار کا وار کرے تو میں اپنا ہاتھ اس پر نہ اٹھاؤں گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ نے ایک ممتاز صحابی سے شرکت جنگ کے لئے فرمایا تو انھوں نے

پہلے خارجی یہ سمجھتے تھے کہ حضرت علی حق پر ہیں اور امیر معاویہ باطل پر۔ اس لئے وہ قرآن کی اس آیت سے استدلال کرتے تھے۔

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ٥

اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑیں تو ان کے درمیان آپس میں صلح کراؤ اور اگر ایک دوسرے پر ظلم کرے تو اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو، جب رجوع ہو جائے تو ان میں صلح کرا دو خدا انصاف کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس بناء پر خارجیوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی بھی شدید مخالفت شروع کر دی یہ جماعت بڑھی اور اس نے اپنے مذہب کے یہ اصول وضع کئے۔

۱۔ احادیث کی صرف وہ روایتیں قابل اعتماد ہیں جو حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں روایت کی گئی ہیں۔

۲۔ خلافت تمام قوم کی امانت ہے اس لئے مسلم قوم جس شخص کو چاہے اور جس خاندان سے چاہے خلیفہ بنا سکتی ہے۔ قریش میں خلافت مخصوص نہیں ہے۔ اسی بناء پر وہ حضرت عثمان سے اور رضامندی تحکیم کی وجہ سے حضرت علی سے اور مسلمانوں پر بجبر اقتدار حاصل کر لینے کے سبب سے امیر معاویہ سے برأت اور بے تعلقی کا اظہار کرنے لگے۔

۳۔ خلیفہ کی اطاعت صرف ان حدود کے دائرے میں لازمی ہے جن کو قرآن میں یا حضور علیہ السلام کی احادیث صحیحہ نے متعین کر دیا ہے۔ اگر کسی خلیفہ نے اس سے سرمو تجاوز کیا تو اس کی اطاعت لازمی نہیں ہے۔

۴۔ جھوٹ بولنا کفر ہے۔

۵۔ فاسق اور کافر میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جو شخص حدود اللہ سے متجاوز ہو وہ

کوفے سے یہ صدا بلند ہوئی۔ خوارج نے جواب دیا کہ دونوں جہنمی ہیں۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ چند تابعین خوارج کے دلائل سے معقول ہو کر خارجی ہو گئے۔ اتفاق سے وہ لوگ مدینہ منوّرہ پہنچے مسجد نبوی میں حضرت جابر بن عبداللہ تشریف رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے شکوک آپ کے سامنے پیش کئے۔ آپ نے سب کی تشفّی کر دی۔ صرف ایک شخص مطمئن نہ ہو سکا۔ وہ صحابہ جو ان لڑائیوں میں شریک نہ تھے اسلام کی تباہی پر ان کے پُر درد کلمات پڑھ کر آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں۔ بنو امیہ نے میدان کربلا میں جگر گوشۂ رسول کے ساتھ جو کچھ کیا۔ سرزمین حرم میں نواسۂ حضرت صدیق عبداللہ بن زبیر کو جس بیدردی سے قتل کیا گیا حضرت امام زین العابدین کے فرزند دلبند زید شہید کا سر جس طرح اتارا گیا اور پھر خاص مدینۃ الرسول میں انصار کرام کو جو حضور علیہ السّلام کے دست و بازو تھے جس سفّاکی سے تہ تیغ کیا۔ رسوا کیا اور مدینہ کو لوٹا۔ بصرہ کے محدّثین کا خون جس طرح بیدریغ بہایا گیا۔ یہ واقعات مٹائے نہیں مٹتے۔ ان مظالم کے لئے مذہبی حیلہ کی ضرورت تھی۔ شام والوں نے ایک مذہبی منتر ایجاد کیا وہ مسئلہ "جبر" تھا۔ یعنی انسان مجبور محض ہے۔ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔ انسان اپنے اعمال کا ذمّہ دار نہیں ہے بلکہ خدا ذمّہ دار ہے۔ عراق والوں نے اس منتر کا توڑ تجویز کیا وہ نظریۂ "قدر" ہے۔ یعنی انسان اپنے تمام اعمال کا خود ذمّہ دار ہے۔ تقدیر کوئی چیز نہیں ہے۔ معبد جہنی اس کے علمبردار تھے۔ معبد نے بصرہ میں اپنے کئی ہم خیال بنا لئے۔ معبد اور عطاء بن یسار حضرت حسن بصری کے پاس پہنچے اور کہا کہ یہ بنی امیہ خدا کی مخلوق کا خون بہا چکے اور اب یہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ جو کچھ کرتے ہیں وہ خدا کے حکم اور تقدیر سے کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا، دشمن خدا جھوٹ کہتے ہیں۔ اس فرقہ کا نام قدریہ تھا مگر یہ اصلاح کرتے کرتے "معتزلہ" ہو گیا۔

جب باہمی جنگ و جدال اس نوبت پر پہونچ جائے اور خدا کے معیّنہ حدود سے تجاوز کے لئے تدبیریں وضع کی جائیں پھر ایسی جماعتوں میں معیار حق و صداقت کچھ نہیں رہتا۔

عرض کیا: میرے دوست اور آپ کے چچازاد بھائی - یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ جب ایسا وقت آجائے تو لکڑی کی تلوار رکھنا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا: یہ وہ زمانہ ہے جس میں سونے والا بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہے - اکثر ایسے بھی صحابہ وتابعین تھے جو اس زمانہ میں گھروں کو چھوڑ کر پہاڑوں اور جنگلوں میں چلے گئے تھے - بعض ایسے بھی تھے جو جانبین کی فوج میں تھے مگر انھوں نے تلوار کو ہاتھ ہی نہیں لگایا۔ ان حضرات کے پیش نظر یہ خانہ جنگی خطائے اجتہادی کی حیثیت رکھتی تھی - ان فرقوں نے تھوڑے ہی دنوں میں ملک کی جغرافیائی تقسیم کر لی - حضرت عثمان وبنوامیہ کے حامی شام میں - حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حامی عراق میں - اور غیر جانبدار فرقہ زیادہ تر حجاز میں رہا اور خوارج کا سلسلہ "حرور" سے شروع ہوا - یہ سب عرب تھے۔ علویہ میں عرب کم تھے، لیکن عجمی بہت تھے - بیشتر بلکہ اکثر انصاری اور محدثین علوی تھے مگر یہ حضرات حضرت علی کو وصی رسول نہیں سمجھتے تھے اور نہ حضرات شیخین کو غاصب سمجھتے تھے بلکہ حضرت عثمان کے مقابلہ میں حضرت علی کو افضل سمجھتے تھے - حامیان حضرت علی کا علاوہ ان حضرات کے ایک اور طبقہ اُن افراد کا تھا جو آہستہ آہستہ گستاخ ہوتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ و حضرت عائشہؓ کی شان میں گستاخی کرنے لگا- اُدھر بنوامیہ کے ابتدائی عہد میں ۹۹ھ تک برسر منبر حضرت علی اور اہل بیت کو گالیاں دیجاتی تھیں - ان سیاسی اختلافات نے مذہبی اختلافات کی بنیاد ڈالی اور سب سے پہلے یہ سوال اُٹھایا گیا کہ جو لوگ حضرت علی و حضرت عائشہ کی جانب سے جنگ جمل میں یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ وامیر معاویہ کی جنگ صفین میں شریک ہو کر مارے گئے ان میں کون حق پر تھا اور اس آیت کا مستحق کون ہے وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا - جو کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے اُس کی سزا جہنم ہے - جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

ان تمام برائیوں پر نظر رکھی جو پیدا ہو چکی تھیں اور دیانت امانت وصداقت کے معیار کو مقرر کیا۔ اسی دور میں مختلف اسلامی ممالک میں یہ حضرات مفتی تھے۔

مدینہ منوّرہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ جن کا انتقال سنہ ۵۷ ہجری میں ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ جن کا انتقال سنہ ۷۳ ہجری میں ہوا۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ جن کا انتقال سنہ ۵۸ ہجری میں ہوا۔ حضرت سعید بن مسیّب جن کا انتقال سنہ ۹۴ ہجری میں ہوا۔ حضرت عروہ بن زبیر بن عوام جن کا انتقال سنہ ۹۴ ہجری میں ہوا۔ حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام جن کا انتقال سنہ ۹۴ ہجری میں ہوا۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام جن کا انتقال سنہ ۹۴ ہجری میں ہوا۔ حضرت عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود جن کا انتقال سنہ ۹۴ ہجری میں ہوا۔ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضؓ آپ کا انتقال سنہ ۱۰۶ ہجری میں ہوا۔ حضرت امام باقر علیہ السلام آپ کا انتقال سنہ ۱۱۴ ہجری میں ہوا۔ حضرت سلیمان بن یسار مولی ام المومنین میمونہ ان کا انتقال سنہ ۱۰۷ ہجری میں ہوا۔ حضرت ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان فقیہہ مدینہ سنہ ۱۳۱ ہجری میں انتقال ہوا۔ حضرت نافع مولی ابن عمر رضؓ ان کا انتقال سنہ ۱۱۷ ہجری میں ہوا۔ حضرت ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن فروخ آپ کا انتقال سنہ ۱۳۶ ہجری میں ہوا۔

اگرچہ سترہ مفتیان مدینہ تھے تاہم یک صدی ہجری کے اندر اندر تک بعض ازواج مطہرات اور بیشتر صحابہ زندہ تھے۔ تابعین میں متذکرہ بالا اصحاب کی علمی و اجتہادی وقار کو صحابہ نے تسلیم فرمالیا تھا۔

مفتیان مکہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ آپ کا انتقال سنہ ۶۸ھ میں طائف میں ہوا۔ حضرت مجاہد بن جبیر رضؓ آپ نے سنہ ۱۰۳ھ میں وفات پائی۔ حضرت عکرمہ مولی ابن عباس رضؓ

اسی وجہ سے جھوٹ کا رواج ہوا۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو اسی کا اندیشہ تھا۔ امام شعبی سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: مجھ سے حارث اعور احادیث بیان کرتا تھا حالانکہ وہ جھوٹا تھا۔ ابوجعفر ہاشمی مدنی سچ باتوں کے متعلق جھوٹی حدیثیں بنایا کرتے تھے۔ مقدمہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ایک مدت تک ہماری حالت یہ تھی کہ جب کسی آدمی کو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہوئے سنتے تھے تو ہماری نگاہیں فوراً اس طرف اُٹھ جاتی تھیں۔ لیکن جب لوگ ہر سرکش اور فرماں بردار اونٹ پر چڑھنے لگے تو اب ہم صرف ان حدیثوں کو قبول کرتے ہیں جن کو ہم خود جانتے ہیں۔

امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا کہ جھوٹ روایت کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو حضور علیہ السّلام کی جانب جھوٹی حدیثیں منسوب کرتے ہیں۔ اور ان کی بھی چند قسمیں ہیں۔

۱۔ بعض لوگ مثل زندیقوں کے اور ان کی طرح جو دین کے وقار کو تسلیم نہیں کرتے تھے اپنی رفعت شان کے لئے یا دین کی تحقیر کی غرض سے حدیثیں وضع کرتے تھے۔

۲۔ جاہل اور عبادت گذار لوگوں نے بزعم خود نیک اور دینی کام سمجھکر فضائل اور مذہبی ترغیبات کے متعلق احادیث کو وضع کیا۔

۳۔ بدکار محدثین نے عجیب عجیب حدیثیں بیان کرنے اور شہرت حاصل کرنے کو لئے حدیثیں گھڑیں۔

۴۔ بدعتیوں کے مبلغین اور مذاہب و فرقوں کے متعصبین نے تعصب یا اپنے مذہب یا فرقہ پر حجت لانے کی حدیثیں بنائیں۔

۵۔ امراء اور ارباب اقتدار کی خوشنودی یا خواہشوں کی پیروی اور ان کے افعال پر شرعی عذر یا دلیل قائم کرنے کے لئے جھوٹی حدیثیں وضع کی گئیں۔

ان پیچیدگیوں نے فقہ و اجتہاد پر بھی اثر ڈالا۔ شیعوں نے الگ۔ خوارج نے الگ۔ بنی امیہ نے علٰحدہ اور اہل سنت جماعت نے علٰحدہ علٰحدہ اپنے مسائل کو مرتب کیا۔ اہل سنت والجماعت نے

رجاء بن حیوۃ کندی ان کا انتقال سنہ ۱۱۲ھ میں ہوا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رضؓ سنہ ۱۰۱ھ میں انتقال ہوا۔ قبیصہ بن ذویب ان کا انتقال سنہ ۸۱ھ میں ہوا۔

مفتیان مصر

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما۔ سنہ ۶۵ھ میں انتقال ہوا۔
ابو الخیر مرشد بن عبد اللہ الیزنی مفتی مصر سنہ ۹۰ھ میں انتقال ہوا۔ یزید بن ابی حبیب مولیٰ الازد سنہ ۱۲۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

مفتیان یمن

طاؤس بن کیسان سنہ ۱۰۶ھ میں جب حج کو تشریف لائے تو مکہ میں انتقال ہوا۔
وہب بن منبہ سنہ ۱۱۴ھ میں انتقال ہوا۔ یحییٰ بن ابی کثیر موسیٰ مولیٰ طی، آپ کا انتقال سنہ ۱۲۹ ہجری میں ہوا۔

ان ممالک میں یہ حضرات معتمد اور مشہور مفتی تھے اور اس دور میں کوئی شخص کسی خاص یا ممتاز ہستی سے منسوب نہ تھا۔ یہ ایسے تمام مفتی مختلف شہروں میں فقہ اور حدیث میں ممتاز تھے جو حضرات ان ممالک میں قاضی مقرر تھے ان کے فیصلہ کا طریقہ یہ تھا کہ جو کچھ قرآن و حدیث ان کی سمجھ میں آتا اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔ مقتضیات وقت و ملک اور حالات کا لحاظ رکھتے تھے۔ ضرورت کے وقت مشورہ بھی کر لیتے تھے۔ مدینہ منورہ مرکز و مہبط وحی تھا۔ امہات المومنین واجلۂ صحابہ کا وہاں قیام تھا۔ اور صحابۂ کرام کی تعلیم و تربیت و فیضان صحبت سے ممتاز فقہا کا ایک گروہ تیار ہو چکا تھا۔ اس لئے ہر اسلامی شہر کے لوگ اپنے شکوک و شبہات وہاں حاضر ہو کر صاف کر لیتے تھے اور حدیث کے بیش بہا ذخیرہ کو وہاں سے حاصل کر کے اپنے اپنے دیار و امصار میں پہنچاتے رہتے تھے۔ معمولی معمولی باتوں میں صحابہ کا اختلاف تھا، لیکن ان باتوں کا تعلق

آپ نے ۱۰۷ھ میں وفات پائی۔ حضرت عطاء بن ابی رباح آپ کا انتقال ۱۱۴ھ میں ہوُا۔

مفتیان کوفہ

حضرت علقمہ بن قیس النخعی فقیہہ عراق۔ شاگرد رشید حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ نے ۶۸ھ میں وفات پائی۔ حضرت مسروق بن اجدع الہمدانی آپ کا انتقال ۶۳ھ میں ہوُا۔ حضرت اسود بن یزید النخعی آپ کا انتقال ۹۵ھ میں ہوُا۔ حضرت شریح بن حارث الکندی قاضی کوفہ، آپ کو حضرت عمر رض نے قاضی مقرر کیا تھا۔ آپ ساٹھ برس تک کوفہ میں قاضی رہے ۸۰ھ میں انتقال ہوُا۔ حضرت ابراہیم بن یزید النخعی آپ کا انتقال ۹۵ھ میں ہوُا۔ حضرت سعید بن جبیر، حجاج نے آپ کو ۹۵ھ میں شہید کیا۔ حضرت عامر بن شراحیل الشعبی علامۃ التابعین ۱۰۴ھ میں آپ کا انتقال ہوُا۔

مفتیان بصرہ

حضرت انس بن مالک رض۔ آپ کا انتقال ۹۱ھ میں ہوُا۔ حضرت ابو العالیہ رفیع بن مھران آپ نے ۹۰ھ میں انتقال کیا۔ حسن بن ابی الحسن یسار مولیٰ زید بن ثابت ۱۱۰ھ میں ہجری میں انتقال ہوُا۔ ابو الشعثاء جابر بن زید صاحب ابن عباس رض آپ نے ۹۳ھ میں انتقال کیا۔ محمد بن سیرین مولیٰ انس بن مالک، ۱۱۰ھ میں انتقال ہوُا۔ قتادہ بن دعامہ آپ نے ۱۱۸ھ میں انتقال کیا۔

مفتیان شام

حضرت عبد الرحمٰن بن غنم الاشعری رض آپ نے ۷۸ھ میں انتقال کیا۔ ابو ادریس الخولانی ان کا انتقال ۸۰ھ میں ہوُا۔ مکحول بن ابی مسلم ان کا انتقال ۱۱۳ھ میں ہوا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: یتیم و نابالغ کے مال پر زکوٰۃ ہے۔ وہ فرماتی ہیں زکوٰۃ مال پر فرض ہے نہ عمر پر۔ دیگر صحابہ فرماتے ہیں کہ بعد بلوغ وہ احکام شرعیہ کے مکلف ہیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں مردہ کو غسل دینے سے غسل لازم نہیں ہوتا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جو مردہ کو غسل دے وہ غسل کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: مُردہ پر اس کے گھر والوں کے رونے عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے جب اس روایت کو سنا تو فرمایا: واقعہ یہ ہے کہ ایک دن آپ ایک یہودیہ کے جنازے پر سے گذرے۔ اس کے رشتہ دار اس پر نوحہ کر رہے تھے۔ اسلئے آپ نے فرمایا یہ تو رو رہے ہیں اور اور اس پر عذاب ہو رہا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ دو واقعے ہیں۔ مردہ تو اپنے اعمال پر سزا پا رہا ہے اور یہ اس کے مرنے پر رو رہے ہیں۔ مردہ کسی کی رونے کا ذمہ دار نہیں ہے۔ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے قرآن کی یہ آیت پڑھ کر سنائی۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

بڑی چیز مغز سخن تک پہنچنا ہے اور کتب حدیث کے استقرار سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ میں اس قسم کا جزوی اختلاف تھا۔ عہد صحابہ میں جن مفتیوں کا ہم نے تذکرہ کیا وہ بلحاظ علم و صلاح۔ زہد و تقویٰ۔ و دیانت و امانت اُس دور کی تمام آلودگیوں سے بحدّ امکان محفوظ و مصئون تھے اور ان کی سعی بلیغ یہی تھی کہ قرآن و حدیث کی صحیح خدمت کی جائے۔ مدینہ منورہ میں ایسے ممتاز تابعین کی کثرت اس وجہ سے بھی تھی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب مدینہ منورہ کو بحیثیت دارالخلافہ چھوڑا، اس وقت سے مدینہ آماجگاہ فتن بہت کم رہا۔ صرف واقعہ "حرّہ" میں بزمانہ یزید بن معاویہ مدینہ منورہ کے انصار و صحابہ کے ساتھ بیحد ناروا ظلم کیا گیا۔ ان تابعین کے حالات کی تفصیل تو بہت زیادہ ہے۔ تاہم ہر ایک تابعی کی

زیادہ تر فہم و تدبّر روایت سے متعلق ہوتا تھا جس کی یہ چند مثالیں ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جو قربت خاص حاصل تھی وہ ظاہر ہے ان کو اگر لفظی اختلاف ہوتا تو وہ مغز سخن کی وضاحت بڑے نفیس طریقہ پر فرما دیتیں۔ اور جس مسئلہ کو اُنھوں نے نبی کریم علیہ السّلام سے دریافت نہ کیا ہوتا اس میں اپنی اصابت رائے سے فیصلہ فرما دیتیں۔

کسی نے آپ سے متعہ کے متعلق پوچھا کہ کیا اسلام میں یہ جائز ہے۔ فرمایا۔ قرآن پڑھو۔

وَالَّذِيْنَ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ۔ جو لوگ اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کرتے ہیں لیکن اپنی بیویوں کے ساتھ یا اپنی باندیوں کے ساتھ، ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا۔ پس جس عورت سے متعہ کیا جاتا ہے وہ نہ بیوی ہے، نہ باندی۔ اس لئے "متعہ" حرام ہے۔

حضور علیہ السّلام کا ارشاد ہے: لَا تمنعوا اماء اللہ من مساجد اللہ۔ خدا کی لونڈیوں کو مسجدوں سے نہ روکا کرو۔ اس بناء پر عہد نبوی و دورِ خلفاءِ راشدین میں عورتیں مسجدوں میں نماز کے لئے آتی تھیں۔ غالبًا عہدِ عثمانی میں حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا؛ اب عورتوں نے جو نئی باتیں اختیار کی ہیں اگر حضور اس زمانہ میں ہوتے اور دیکھتے تو جس طرح یہود کی عورتوں کی ممانعت ہے۔ اسی طرح آپ بھی مسلمانوں کی عورتوں کو روک دیتے۔

۔ شرعی غسل لازم ہونے کے لئے "خروج ماء" کی شرط ہے یا نہیں۔ بعض صحابہ خروج ماء کو شرط قرار دیتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے صرف "دخول" کو شرط قرار دیا اور پھر حضور علیہ السّلام کی ایک روایت بیان فرمائی۔

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں زیور میں زکوٰۃ نہیں ہے چونکہ وہ عورت کی زینت ہے اسی پر امام شافعی رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے۔ دیگر صحابہ اس پر زکوٰۃ کے قائل ہیں۔

حضرت عُروہ بن زبیر بن عوام

آپ آخر عہد خلافت فاروقی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ کے دامن عطوفت میں پرورش پائی اور آپ ہی کے خرمن کمال سے خصوصیت کے ساتھ خوشہ چینی کی تھی۔ آپ نے حضرت عائشہ کا پورا علمی ذخیرہ اپنے سینہ میں محفوظ کر لیا تھا۔ حضرت عائشہ کے علاوہ حضرت زید بن ثابت۔ عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ ابن عباس حضرت ابوہریرہ و دیگر صحابہ سے بھی استفادہ کیا۔ امہات المومنین میں علاوہ حضرت عائشہؓ کے حضرت ام سلمہ۔ حضرت ام حبیبہ سے بھی روایتیں کیں۔ مدینہ منورہ کے سات ممتاز فقیہوں میں سے ایک فقیہہ مانے جاتے تھے (تہذیب)۔ حضرت ابن شہاب زہری فرماتے ہیں عروہ حدیث کے بحر ذخار تھے۔ (تہذیب)۔ بڑے عابد و زاہد تھے حضرت امام زین العابدین اور آپ روزانہ بعد عشاء مسجد نبوی کے ایک گوشہ میں بیٹھتے تھے۔ ایک دن دوران گفتگو میں بنی امیہ کے مظالم کا تذکرہ آیا اور یہ خیال ظاہر کیا کہ جب کسی میں ان کے مظالم روکنے کی طاقت نہیں تو ان کے ساتھ رہنا کہاں تک مناسب ہے۔ خدا ان کے مظالم کی سزا میں ایک نہ ایک دن ان پر عذاب نازل کریگا۔ حضرت عروہ نے امام زین العابدین سے کہا کہ جو شخص ظالموں سے علیحدہ رہیگا تو خدا ایسے بیزار شخص کو عذاب سے محفوظ رکھیگا۔ اس گفتگو کے بعد حضرت عروہ مدینہ منورہ چھوڑ کر عقیق چلے گئے۔ (ابن سعد) ۔ صرف مسجد نبوی میں میں آتے تھے، لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا: ان کی مسجد میں لہو ولعب اور ان کے بازار لغویات کا گہوارہ ہیں اور ان کے راستوں میں بیحیائی کی گرم بازاری ہے (صفوۃ الصفوہ)۔ ان کے فقہی کمال و زہد و ورع و دیانت کی وجہ سے صحابہ ان کی رائے قابل عظمت و قبول سمجھتے تھے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

حضرت امام ۳۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام علی تھا۔ علی بن حسین علی کرم اللہ وجہ آپ نے

صفات دیانت سے متعارف کرنا اس لئے ضروری ہے تاکہ اس کا صحیح اندازہ ہو سکے کہ ان کی علمی و عملی صلاحیتوں نے باوجود ابتلائے فتن کیسا روشن کارنامہ چھوڑا ہے۔

حضرات تابعین مفتیان مدینہ منورہ

حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ علیہ۔ مدینہ میں آپ کی پیدائش تقریباً ۱۶ھ کی ہے۔ آپ نے حضرت علیؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ۔ حضرت ابو ذرؓ۔ حضرت ابو درداؓ حضرت جابرؓ بن عبد اللہؓ۔ حضرت ابو موسیٰؓ اشعری۔ حضرت ابو سعیدؓ خدری و حضرت ابو ہریرہؓ سے فن حدیث کو حاصل کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ آپ کے خسر تھے۔ حضرت امام زین العابدینؓ فرماتے ہیں، سعید بن مسیب گذشتہ آثار کے سب سے زیادہ واقف کار تھے۔ علی بن مدینی امام بخاری کے مشہور و ممتاز استاد فرماتے ہیں: میں سعید بن مسیب سے زیادہ کسی کو وسیع العلم نہیں پاتا۔ صرف ان کا یہ کہدینا کہ یہ "سنت" ہے کافی ہے (تہذیب)۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں واللہ وہ مفتیوں میں سے ایک مفتی ہیں (تہذیب)۔ حضرت عمر بن عبد العزیز ان سے بغیر پوچھے ہوئے فیصلہ نہیں فرماتے تھے۔ (تہذیب)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کے حافظ تھے۔ یہ بہت بڑی خصوصیت ہے کہ عہد صحابہ میں بھی مفتی تھے۔ پچاس سال تک مسجد نبوی کی نماز باجماعت قضا نہیں ہوئی (طبقات ابن سعد)۔

واقعہ حرّہ میں جب یزید کی فوجیں تین دن تک مدینۃ الرسول میں قتل و لوٹ میں مصروف تھیں اُس وقت مسجد نبوی سنسان ہو گئی تھی صرف حضرت سعید بن مسیّب مسجد میں حاضر رہتے تھے۔ بنی امیہ کی فوجیں ان کو دیکھ دیکھ کر کہتیں کہ اس بوڑھے مجنون کو تو دیکھو (طبقات ابن سعد) امراء سے بے نیاز تھے۔ ایک بار خلیفہ عبد الملک بن مروان نے آپ سے کہا۔ اے ابو محمد اب تو میری یہ حالت ہے کہ اگر اچھا کام کرتا ہوں تو نہ اُس کی مسرّت، نہ کسی بُرے کام کے کرنے میں رنج ہوتا ہے۔ فرمایا: اب تمہارا قلب پوری طرح مر چکا۔ (ابن اثیر)

علامۂ ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ کی ذات علم و عمل کی جامع تھی (تذکرۃ الحفاظ) ۔ آپ نے اپنے والد حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو ایوب انصاری اور حضرت عائشہ صدیقہ سے استفادہ کیا ۔ آپ اُمراء سے بیحد احتیاط فرماتے تھے ۔ ہشام بن عبد الملک آپ کا بیحد معتقد تھا آپ کے موٹے جھوٹے لباس کے باوجود آپ کو تخت شاہی پر برابر بٹھاتا تھا ۔ ایک بار خانہ کعبہ میں ہشام نے کہا: سالم کوئی ضرورت ہو تو کہو ۔ فرمایا خدا کے گھر میں کسی غیر سے کیا مانگوں ۔ جب آپ کعبہ سے باہر آئے، ہشام نے تعاقب کیا اور روک کر کہا: اب تو کچھ مانگو ۔ فرمایا اپنے خدا کو چھوڑ کر تم سے کیا مانگوں ۔ (ابن خلکان) ۔ ایک بار حضرت عمر بن عبد العزیز نے آپ کو لکھا کہ حضرت عمرؓ کے کچھ مسائل لکھ بھیجئے ۔ آپ نے جواب لکھا کہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ اور وقت تھا اور وہ لوگ بھی اور تھے، لیکن تم باوجود ان ظالمانہ نقوش کے اُن کے مطابق عمل کر دگے تو تم خدا کے نزدیک عمرؓ سے افضل ہوگے ۔ اب تو ان بادشاہوں کو دیکھو جن کی آنکھیں بے نور ہوگئیں، وہ پیٹ پھٹ گئے جو کبھی الوان نعمت سے کبھی آسودہ نہ ہوتے تھے ۔ آج وہ زمین کے ٹیلوں کے نیچے مردار پڑے ہیں ۔ اگر وہ آبادی سے قریب ہوتے تو ان کی عفونت سے ناک نہ دیجاتی ۔

حضرت سلیمان بن یسار مولیٰ ام میمونہ رضی اللہ عنہا

آپ نے حضرت میمونہ حضرت عائشہ حضرت زید بن ثابت حضرت عبد اللہ بن عمر حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایتیں حاصل کیں ۔ آپ مدینہ کے ممتاز فقہا میں سے تھے ۔ مسائل طلاق کے خصوصیت کے ساتھ بڑے عالم تھے ۔ حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ باوجود جلالت شان اکثر فتوی لینے والوں کو آپ کے پاس بھیجتے اور فرماتے کہ سلیمان بڑے عالم ہیں ۔

حضرت قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم

حضرت ابو بکر صدیق کے پوتے اور حضرت عائشہ کے بھتیجے تھے

حضرت عائشہ صدیقہ ۔ حضرت عبد اللہ بن عمر و حضرت ابو ہریرہ و حضرت ابن عباس سے تمام علم حاصل کیا ۔ علاوہ حدیث کے آپ کا خاص فن فقہ تھا ۔ آپ مدینہ منورہ میں کے مشہور

حدیث حضرت امام حسین حضرت امام حسن حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عائشہ حضرت ام سلمہ حضرت صفیہ اور اپنے خاندانی غلام ابورافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اور حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے استفادہ فرمایا۔ حضرت امام زہری فرماتے ہیں کہ میں نے امام زین العابدین سے بڑھ کر فقیہہ نہیں دیکھا۔ (تذکرۃ الحفاظ)۔ آپ بڑے فیاض۔ کریم النفس۔ عابد زاہد متقی اور بے حد نرم مزاج تھے۔ ناگوار سے ناگوار اور تلخ سے تلخ باتیں سن کر ٹال جاتے تھے۔ غلہ کے بڑے بڑے بورے اپنی پشت مبارک پر لاد کر غریبوں کو خاموشی سے دے آتے تھے۔ وفات کے بعد جب پشت مبارک پر داغ دیکھے گئے تب یہ راز کھلا۔ مدینہ منورہ کے ممتاز فقہا میں آپ کا شمار تھا۔

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس حضرت ابوہریرہ حضرت ابوسعید خدری حضرت عمار بن یاسر۔ حضرت ابوطلحہ انصاری۔ حضرت عائشہ صدیقہ۔ حضرت فاطمہ بنت قیس اور حضرت سعید بن مسیب سے روایتیں کیں۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت شان و امامت پر سب کا اتفاق ہے۔ مدینہ کے سات مشہور فقہا میں آپ بھی تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے تربیت یافتہ تھے۔ ایک بار امام زین العابدین ان سے ملنے آئے۔ یہ نماز میں مشغول تھے۔ حضرت امام منتظر رہے۔ لوگوں نے کہا آپ نے اتنی دیر تک حضرت امام کو انتظار دکھایا۔ فرمایا اللہ میری مغفرت فرمائے۔ پھر فرمایا جس کو علم کی تلاش ہو اُسے تکلیف تو اُٹھانا چاہیے۔ (تذکرۃ الحفاظ)۔

حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر رض

آپ حضرت عمر رض کے پوتے اور ان سے بیحد مشابہ تھے۔ امام نووی فرماتے ہیں: سالم کی امامت۔ جلالت۔ زہد و ورع اور علوئے مرتبت پر سب کا اتفاق ہے (تہذیب)۔

غلام تھے۔ تیس سال حضرت عبداللہ بن عمر کی خدمت میں رہے اور آپ سے اور حضرت ابوہریرہ حضرت ابوسعید خدری۔ حضرت رافع بن خدیج حضرت ام سلمہ و حضرت عائشہ سے اور اپنے آقازادوں سے استفادہ کیا۔ محدثین کے نزدیک اعلیٰ درجہ کی سند یہ ہے۔ مالک عن نافع عن ابن عمرؓ۔ امام مالک ان کے شاگرد رشید تھے۔ فقہائے مدینہ میں ممتاز تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز ان کے علم کے اس قدر قائل تھے کہ مصر کے مسلمانوں کی تعلیم کے لئے ان کو بھیجا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان سے بیحد محبت رکھتے تھے۔

حضرت یحییٰ بن سعید انصاری رحمہ اللہ آپ نے حضرت انس بن مالک حضرت سائب بن یزید اور حضرت سعید بن مسیب سے استفادہ کیا۔ حافظ ذہبی ان کو امام اور شیخ الاسلام فرماتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں قاضی تھے۔ پھر عہد عباسیہ میں قاضی القضاۃ ہوگئے۔ (تذکرۃ الحفاظ)۔

حضرت ربیعہ بن فروخ رحمہ اللہ آپ نے حضرت انس بن مالک اور حضرت سائب بن یزید و حضرت سعید بن مسیب سے استفادہ کیا۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ ربیعہ امام۔ حافظ۔ فقیہہ اور مجتہد تھے۔ مدینہ منورہ میں مفتی تھے۔ بڑے عابد و زاہد اور بے حد بے نیاز تھے۔ یہ حضرات مدینہ منورہ کے ممتاز ترین علماء میں سے تھے ان میں صداقت۔ امانت۔ دیانت اور اہل دنیا سے بے غرضی تھی اور یہ اجتہاد و فقہ میں ممتاز تھے۔

مفتیانِ مکہ

حضرت مجاہد بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ آپ نے حضرت علی حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عبداللہ بن زبیر اور متعدد صحابہ سے علم حدیث و تفسیر حاصل کیا۔ تفسیر کے ماہر۔ محدث اعلیٰ اور فقہ میں امامت و اجتہاد کا درجہ حاصل تھا حافظ ابن حجر علامہ ذہبی و امام نووی سب ان کو امام وقت مانتے ہیں۔ مکہ میں مفتی تھے۔

ممتاز فقہا میں تھے۔ اس فقہی کمال کے باوجود وہ حدیث کی طرح فقہ میں بھی بہت احتیاط فرماتے تھے۔ مسائل کا اپنی رائے سے جواب دیتے تھے تو اس میں صراحت فرما دیتے تھے کہ یہ میری رائے ہے۔ یہ نہیں کہتا کہ یہ "حق" ہے۔

حضرت محمد ابن شہاب زہری رحمہ اللہ آپ تمام علوم کے جامع تھے۔ تفسیر و حدیث، مغازی، فقہ سب کے آپ امام الائمہ ہیں۔ صحابہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت انس بن مالک، حضرت ابو الطفیل حضرت محمود بن ربیع اور تابعین میں خاص طور پر حضرت سعید بن مسیّب سے استفادہ کیا۔ ان کی جامعیت کی وجہ سے وہ اپنے عہد میں مدینہ کی مجلس افتا کے مسند نشین تھے۔ ان کے فتاوے تین ضخیم جلدوں میں جمع کئے گئے تھے۔ مغازی و سیرت کے بھی وہ امام وقت تھے۔ (اعلام الموقعین) امام مالک فرماتے ہیں کہ اب دنیا میں زہری کا کوئی مثل نہیں تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز امام زہری کے بیحد معتقد اور قائل تھے۔ انھوں نے تمام ممالک اسلامیہ میں اعلان کرا دیا تھا کہ سب لوگ ابن شہاب زہری کی اقتدا کیا کریں۔ چونکہ ان سے زیادہ سنت رسول اللہ و احوال ماضیہ کا جاننے والا کوئی نہیں مل سکتا۔

حضرت امام باقر علیہ السلام آپ کا نام محمد اور امام زین العابدین علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں وہ جلیل القدر تابعی اور امام بارع تھے۔ فقہائے مدینہ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ آپ نے حضرت انس بن مالک۔ حضرت سعید بن مسیّب سے استفادہ فرمایا۔ بے حد عابد و زاہد تھے۔ ابو الزناد عبد اللہ بن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ

ابو الزّناد عبد اللہ بن زکوان رحمہ اللہ ہمدانی تھے۔ آپ قریش کی غلامی میں تھے۔ آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ بنت سعد اور حضرت سعید بن مسیّب سے استفادہ کیا۔ آپ مدینہ کے ممتاز فقہا میں شمار کئے جاتے تھے۔ دنیاوی عقل و فراست بہت زیادہ تھی اور وہ حساب کے فن کے ماہر تھے۔

حضرت نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہ آپ عجمی النسل تھے باپ کا نام کاؤس تھا۔ حضرت ابن عمرؓ

احادیث کو روایت کیا۔ فقہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے استفادہ کیا۔ اُموی دور میں کچھ دنوں قاضی رہے۔ اہل دنیا سے احتیاط فرماتے تھے۔

حضرت اسود بن یزید نخعی | حضرت عمر و حضرت ابوبکر و حضرت عائشہ صدیقہ سے روایتیں کی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ زیادہ رہتے تھے اور حضرت عائشہ سے خاص عقیدت رکھتے تھے فقہ و اجتہاد میں ممتاز تھے۔

حضرت شریح بن حارث کندی رحمۃ اللہ علیہ | حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہ حضرت زید بن ثابت کے شاگرد تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ ۶۰ برس تک آپ قاضی رہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ آپ کو اقضی العرب کا خطاب دیتے تھے آپ نے اپنے عہد قضا میں بہت سے اجتہادات کئے۔ خفیہ تحقیقات۔ جھوٹے حلف پر سچی شہادت کو ترجیح۔ اہل مقدمہ کو ثبوت اور صفائی کا موقع۔ دلّالوں کی مخالفت۔ بیحد نکتہ رس تھے۔ ایک بار ایک عورت نے ایک شخص پر دعوی دائر کیا اور رونے لگی۔ امام شعبی بھی بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے کہا کہ یہ غریب معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے جواب دیا: رونا مظلومیت کی دلیل نہیں ہے۔ حضرت یوسف کے بھائی بھی تو حضرت یعقوب کے پاس روتے ہوئے آئے تھے۔

حضرت ابراہیم بن یزید النخعی رحمۃ اللہ علیہ | آپ کوفہ کے ممتاز فقہا میں سے تھے۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ | آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس بن عمر حضرت عبداللہ بن زبیر سے استفادہ کیا۔ مگر حضرت عبداللہ بن عباس کے آپ شاگرد رشید ہیں۔ آپ کے بعد پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے استفادہ کرتے رہے۔ تفسیر۔ حدیث۔ فقہ اور علم الفرائض کے آپ امام اور مجتہد ہیں۔ حجاج بن یوسف نے آپ کو شہید کرایا۔

حضرت امام شعبی رحمہ اللہ | آپ نے تقریباً ستر صحابہ سے استفادہ کیا۔ حضرت ابراہیم نخعی اکثر آپ سے فتویٰ لیتے تھے۔ اپنی رائے سے بہت گھبراتے تھے۔ قرآن۔ حدیث

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ ان کی سواری کی رکاب تھام لیتے تھے (تذکرۃ الحفاظ)۔ دنیا سے بے نیاز تھے۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ آپ نے حضرت علی، حضرت ابو سعید خدری و دیگر صحابہ سے اور خاص طور پر حضرت عبد اللہ بن عباس سے علم تفسیر و حدیث کو حاصل کیا۔ چالیس سال تک علم حاصل کرتے رہے۔ وہ مکہ میں مفتی تھے۔ عمرو بن دینار نے کہا کہ حضرت جابر بن زید نے مجھ سے چند مسائل عکرمہ سے دریافت کرائے اور ہدایت کی کہ ابن عباس کا یہ غلام دریا ہے اس سے پوچھا کرو۔ (ابن سعد)۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ آپ نے فن حدیث حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضرت عبد اللہ بن عمر حضرت عائشہ صدیقہ اور متعدد صحابہ سے حاصل کیا۔ حضرت امام باقر علیہ السّلام فرمایا کرتے تھے کہ عطاء سے حدیثیں لیا کرو۔ حضرت ابن عبّاس و ابن عمر کو ان کے فتووں پر بڑا اعتماد تھا۔ عبد العزیز بن رفیع فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ عطاء سے مسئلہ پوچھا گیا۔ فرمایا مجھے نہیں معلوم۔ لوگوں نے کہا آپ رائے سے فتوے دیدیجئے، فرمایا خدا سے شرم آتی ہے کہ اس کی زمین میں میری رائے کی اطاعت کی جائے۔ (تہذیب)۔ آپ نے ستر حج کئے۔ بڑے عابد زاہد متقی اور اہل دنیا سے بے تعلق تھے۔

مفتیان کوفہ

حضرت علقمہ بن قیس حضرت حذیفہ، حضرت سلمان فارسی اور حضرت عبد اللہ بن مسعود سے حدیث حاصل کی۔ فقہ کا فن آپ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ سے حاصل کیا تھا۔ ابو ظبیان کا قول ہے کہ میں نے متعدد صحابہ کو دیکھا کہ وہ علقمہ رضؓ سے فتویٰ لیتے تھے۔ (تہذیب)۔ ان کے زمانہ کے امراء اور اہل دولت سے میل جول رکھنا بھی اخلاقی نقصان تصور فرماتے تھے۔ (ابن سعد)۔

حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر رضی اللہ، حضرت عثمان، حضرت ابی بن کعب سے

بن صامت سے استفادہ کیا۔ شام میں آپ مسند قضا پر ممتاز تھے، حضرت مکحول جو بڑی پایہ کے فقیہہ و محدّث تھے اُن کو اپنا شیخ اور سارے اہل شام کا سردار کہتے تھے۔ (تہذیب) بڑے عابد زاہد و متّقی تھے۔ اہل دنیا سے بے نیاز تھے کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ حاکم وقت کے پاس کیوں نہیں جاتے۔ فرمایا مجھ کو صرف رب العالمین کی ذات کافی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے میں نے سب کو چھوڑ دیا۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ کی مساعی جمیلہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلیفہ ہوئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ | خلفائے بنو اُمیہ میں صرف آپ کی ذات ہی ایسی ہے جس پر محدّثین وفقہا کو اس قدر اعتماد ہے کہ باوجود خلیفہ ہونے کے محدّثین نے آپ کو "عمر ثانی" تسلیم کیا ہے۔ حافظ ذہبی، امام مالک، سفیان بن عیینہ آپ کو امام عارف۔ حافظ الحدیث، مجتہد اور مجدد امت تسلیم کرتے ہیں۔ آپنے اپنے دور میں بنی امیہ کی جاری کردہ بدعات و محدثات کو مٹایا اور انتہائی کوشش سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نظم خلافت کو اپنے دور خلافت میں قائم کیا علمائے محدّثین وفقہائے اعلام کو دنیا سے بے نیاز بنا کر از سر نو پھر تجدید ملّت فرمائی۔ قاضی ابوبکر بن حزم گورنر مدینہ کو لکھا کہ احادیث نبوی کی تلاش و جستجو کر کے ان کو لکھو۔ چونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء حق کے فنا ہونے کا اندیشہ ہے۔ لیکن صرف رسول کریم کی احادیث قبول کی جائیں۔ (بخاری) آپ نے بحدّ امکان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فتادے کو جمع کیا اور اکابر علماء کو نظم خلافت میں شریک کیا۔ آپ بیحد زاہد و عابد تھے اور خوف خدا سے لرزتے رہتے تھے۔ آپ بہت بڑے مجتہد اور فن حدیث کے ممتاز امام تھے۔

مفتیان مصر

یزید بن ابی الحبیب رحمہ اللہ | حدیث میں آپ نے حضرت ابوالطفیل عطاء بن ابی رباح و امام زہری سے استفادہ کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے آپ کو مصر میں مفتی مقرر کیا۔ امام لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ یزید ہمارے عالم اور سردار ہیں۔ امراء کی مطلق پرواہ نہیں

یا آثار صحابہ سے فتویٰ دیتے۔ فرمایا کہ تم میری رائے کیا کروگے اس پر پیشاب کرو۔ (ابن سعد) - حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے آپ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔

مفتیان بصرہ

رفیع بن مہران رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی کرم اللہ وجہ و حضرت عبداللہ بن مسعود و حضرت ابوموسیٰ اشعری اور ستر صحابہ سے روایت کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کی وفات کے دو سال بعد اسلام لائے۔ حضرت ابن عباس ان کا بیحد لحاظ فرماتے تھے اور اپنے پاس بٹھاتے تھے۔ مسلمانوں کی باہمی جنگ سے کنارہ کش تھے۔ بصرہ کے فقیہ و مجتہد تھے۔

ابوالشعثاء جابر بن زید رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عباس کے ممتاز شاگردوں میں تھے حافظ ذہبی انھیں ائمۃ الاعلام میں لکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضہ نے ان سے فرمایا کہ تم بصرہ کے فقہا میں سے ہو۔ فتویٰ دیتے ہو۔ اس کا خیال رکھنا کہ کبھی نص قرآنی کے اور سنت مطہرہ کے خلاف فتویٰ نہ دینا ورنہ تم خود ہلاک ہوگے اور دوسروں کو ہلاک کروگے۔ (تذکرۃ الحفاظ) -

محمد بن سیرین رحمہ اللہ حضرت انس بن مالک کے شاگرد خاص تھے اور حضرت ابوہریرہ کی خدمت میں بھی زیادہ رہے۔ ان کے علاوہ اور متعدد صحابہ سے استفادہ کیا۔ امام نووی فرماتے ہیں وہ تفسیر۔ حدیث۔ فقہ اور تعبیر میں امام تھے۔ علامہ ابن سعد فرماتے ہیں وہ ثقہ۔ امام۔ کثیر العلم فقیہ اور بہت بڑے متقی تھے، بہت بڑے عابد اور اہل دنیا سے بے نیاز تھے۔ حضرت انس نے وصیت فرمائی تھی کہ ابن سیرین انھیں غسل دیں اور نماز جنازہ پڑھائیں۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس بن مالک کے ممتاز شاگردوں میں تھے۔ بصرہ کی جماعت افتا کے ایک معزز رکن تھے۔

مفتیان شام

حضرت رجاء بن حیوۃ کندی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص حضرت عبادہ

دونوں گذشتہ دوروں میں اگرچہ بڑے بڑے فقہائے تابعین اور ائمہ اعلام تھے اور فقہ اسلامی میں فقہائے صحابہ اور کبار تابعین کی یادگاریں موجود تھیں۔ یہی طبقہ سلف صالحین اور بعد کے آنیوالوں کے لئے مشعل ہدایت تھا اور ہے۔ لیکن بایں ہمہ ان کے نام اور اقوال رہ گئے اور اس دور میں ایسے مجتہدین پیدا ہوئے جن کو عوام نے امام بنایا۔ ان کی رائیں قبول کیں یہاں تک کہ بعد کے دور میں ان کے قیاس اور رائے کو بمنزلہ نصوص "قرآن و حدیث" کے بنالیا۔ ان مجتہدین کو جن اسباب سے یہ امتیاز حاصل ہوا وہ یہ ہیں۔

۱۔ ان کی تمام رائیں مدون کر لی گئیں اور ان کے شاگردوں نے ان کی رائے کی بیحد اشاعت کی جس کی وجہ سے عوام کی جماعت میں اس رائے کو شرف قبول حاصل ہوگیا۔

۲۔ حکومت نے اپنے سیاسی انتشار اور مذہبی عدم بصیرت کی وجہ سے بعض بعض کی سرپرستی کی

۳۔ عام طور پر لوگوں میں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ حکومت کے مقرر کردہ قاضیوں اور مفتیوں کے اقوال قابل حجت ہیں۔ ۴۔ احادیث میں جھوٹ بولنے کا رواج بکثرت ہوگیا اور صحیح احادیث کی تحقیق کا فن سخت چٹان نظر آنے لگا۔

ان اسباب کی بنا پر ایک گروہ تو ناقدین حدیث کا پیدا ہوا، جن کا مطمح نظریہ تھا کہ تابعین اور تبع تابعین غرض جس قدر رواۃ حدیث ہیں ان کے حالات سے بحث کریں، وہ کب پیدا ہوئے کب ان کا انتقال ہوا اور وہ کس فرقہ سے تھے وہ کن کن صحابہ سے ملے اور کن کن سے نہیں ملے اور کتنے عرصہ تک کس کس صحابی کی صحبت میں رہے۔ ان کا حافظہ کیسا تھا۔ ان کی ذہانت کا کیا حال تھا۔ ان کا معاملہ اہل دنیا سے کیسا تھا۔ ان کا ذریعہ معاش کیا تھا۔ جوانی اور بڑھاپے میں ان کے حافظہ میں کچھ فرق تو نہیں آیا۔ وہ بربنا عقیدت و نیازمندی کسی خاص طرف یا اپنے اغراض ذاتی کے حاصل ہونے یا حاصل کرنے کے لئے تو کوئی جذبہ نہ رکھتے تھے۔ اس فن کا نام جرح و تعدیل رکھا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"مسجد نبوی کے ان ستونوں کے پاس میں نے ستر شیوخ کو پایا جو قال رسول اللہ

کرتے تھے۔ ایک بار بیمار ہوئے تو حوثرہ بن سہیل امیر مصر آپ کی مزاج پُرسی کو آئے اور مسئلہ پوچھا کہ جس کپڑے میں مچھر کا خون لگا ہو کیا اس سے نماز ہو سکتی ہے۔ آپ نے منہ پھیر لیا۔ حوثرہ یہ دیکھ کر اٹھنے لگے تو پھر آپ نے اس طرف منہ کرکے فرمایا کہ روزانہ اللہ کی مخلوق کا خون کرتے ہو اور مجھ سے مچھر کے خون کا مسئلہ پوچھتے ہو۔ (تذکرۃ الحفاظ)۔

مفتیان یمن

حضرت طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ | آپ نے پچاس صحابہ کو دیکھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے خاص طور پر استفادہ کیا۔ فقہ کے آپ امام یمن تھے۔ آپ بڑے عابد اور مرتاض تھے۔ چالیس حج کئے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے امرا اور اہل دولت سے زیادہ میں نے کسی "شر" کو نہیں دیکھا۔ مکہ مکرمہ میں آپ کا انتقال ہوا۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ | آپ نے حضرت ابوہریرہ و حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس سے استفادہ کیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ نے آپ کو صنعا کا قاضی مقرر کیا۔ آپ نے بانوے الہامی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ کامل بیس سال تک آپ نے عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔ بڑے مجتہد اور متقی تھے۔

محدثین کو صرف یہ اعتراض ہے کہ ان کی ذات سے مسلمانوں میں غیر معتبر اسرائیلیات کی اشاعت ہوئی۔ طبیعت بے حد نرم تھی آپ کسی ذی روح کے لئے اپنی زبان سے کبھی کوئی سخت کلمہ نہیں نکالتے تھے۔ اسرائیلیات کے عالم حضرت عبد اللہ بن سلام حضرت کعب احبار اور وہب بن منبہ تھے۔

چوتھا دور فقہ کا وہ زمانہ جب اس نے ایک مستقل علم کی شکل اختیار کرلی اور بڑی بڑی فقہا جو مسلمہ طور پر مذہبی پیشوا تسلیم کئے گئے اور ان کے تلامذہ جو بجائے خود بانی فقہ نہ تھے بلکہ اپنی شیوخ کی رایوں کی تشریح کرتے تھے پیدا ہوئے۔ یہ دور ایک صدی کی بعد تیسری صدی کے کچھ بعد تک ختم ہوجاتا ہے۔

وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ۔ جابر نے کہا ابھی اس آیت کا مطلب ظاہر نہیں ہوا۔ سفیان نے کہا جابر جھوٹا ہے ۔ لوگوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا ۔ رافضیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ ابر میں پوشیدہ ہیں اور یہ منتظر ہیں کہ جب ابر میں سے حضرت علی آواز دیں گے کہ میری اس اولاد کے ساتھ ہو جاؤ تو یہ لوگ ان کے ساتھ خروج کریں گے ۔ یہ بات بالکل غلط ہے بلکہ یہ آیت تو حضرت یوسف علیہ السّلام کے بھائیوں سے متعلق ہے ۔

جابر بن جعفی کا قول تھا کہ اس کے پاس ستر ہزار حدیثیں بواسطۂ امام باقر علیہ السّلام موجود ہیں ۔ ابواسحاق طالقانی نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے پوچھا کہ یہ حدیث کیسی ہے کہ حضور علیہ السّلام نے فرمایا نیکی کے بعد دوسری نیکی یہ ہے کہ انسان اپنی نماز کے بعد اپنے ماں باپ کے لئے نماز پڑھے اور اپنے روزے کے بعد ماں باپ کے لئے روزے رکھے عبداللہ بن مبارک نے مجھ سے پوچھا کہ اس روایت کی سند کیا ہے ۔ میں نے کہا شہاب بن خراش نے کہا : فرمایا وہ ثقہ ہیں ۔ دوسرے راوی حجاج بن دینار ہیں ۔ فرمایا وہ بھی ثقہ ہیں وہ کس سے روایت کرتے ہیں ، میں نے کہا حضور علیہ السّلام سے ۔ فرمایا حجاج بن دینار سے حضور علیہ السّلام تک اتنے بڑے بڑے جنگل باقی ہیں جن کو طے کرنے کے لئے اونٹوں کی گردنیں تھک جائیں ۔ البتہ صدقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ۔ یعنی حجاج بن دینار سے حضور تک روایت کے مسلسل ہونے میں کئی صحیح واسطوں کی ضرورت ہے ۔

ابوداؤد نخعی جو بہت بڑے عابد ۔ زاہد ۔ شب بیدار تھے جھوٹی روایتیں بیان کرتے تھے ۔ (تدریب الراوی) ۔ حضرت ابن حبان فرماتے ہیں کہ ابوبشیر احمد بن محمد فقیہہ مروزی بڑے عابد و نیک شخص تھے ، لیکن جھوٹی روایتوں کے عادی تھے ۔ (تدریب الراوی) ۔ ابن عدی فرماتے ہیں کہ وہب بن حفص بڑے بزرگ و نیک شخص تھے لیکن علانیہ جھوٹی روایتیں بیان کرتے تھے ۔ بعض حضرات نے یہ اصول وضع کیا جن میں قرطبی بھی داخل ہیں ۔ (تدریب الراوی) ۔ جب کوئی بات قیاس جلی کے موافق ہو تو اس کی نسبت حضور علیہ السّلام تک دینا چاہئے ۔ (تدریب الراوی)

"قال رسول اللہ کہا کرتے تھے۔ عوام ان سے حدیثیں سیکھتے لیکن میں نے کبھی ان سے"
"علم حاصل نہیں کیا۔ یہ چند قسم کے لوگ تھے۔ بعض نادانستہ جھوٹ بولتے تھے۔ بعض"
"مغز سخن سے ناواقف تھے۔ بعض پورے جاہل تھے۔ یہ حدیث و روایت کا کام"
"صرف زہد و اتقا اور سادگی سے نہیں چلتا اس کے لئے جہاں اتقا ہے وہاں علم و"
"فہم و تدبّر کی ضرورت ہے۔ وہ یہ جانتا ہو کہ اس کے منہ سے کیا نکل رہا ہے اور کل"
"قیامت کے دن یہ معاملہ کہاں پہنچیگا۔ جس زہد کے ساتھ پختگی اور دانائی نہ ہو وہ فن حدیث"
"میں نہ حجت ہے نہ ایسے لوگوں سے روایت کرنا چاہیئے"

جرح و تعدیل کے علاوہ محدّثین نے "درایت" کو بھی معیار تنقیح حدیث کے لئے لازمی قرار دیا۔ یعنی ایک عالم اپنے عقل و شعور سے اس کا اندازہ کرے کہ جو بات کہی گئی وہ عقل سلیم کے موافق ہے یا نہیں۔ اس کے یہ چند اصول ہیں :

۱۔ وہ حدیث جو عقل کے خلاف نہ ہو۔ ۲۔ جو مسلمہ اصول کے منافی نہ ہو۔ ۳۔ جو مشاہدات کے خلاف نہ ہو۔ ۴۔ قرآن کے خلاف نہ ہو۔ ۵۔ حدیث متواتر اور تعامل صحابہ کے خلاف نہ ہو۔ ۶۔ معمولی باتوں پر عذاب کی دھمکی نہ ہو۔ ۷۔ اوہام پرستی کی ترغیب نہ ہو۔ ۸۔ مضمون روایت فصاحت سے خالی نہ ہو۔ اور ۹۔ ایسی روایتیں ناقابل قبول ہیں جن میں مناقب و فضائل کا غلو ہو یا معائب نمایاں کریں۔ ۱۰۔ ایسی پیشین گوئیاں جن میں مہینہ۔ سال یا سنہ کا تعین ہو۔
۱۱۔ ایسے قصص و امثال جن کا قرآن اور احادیث صحیحہ میں وجود نہ ہو۔

جرح و تعدیل و درایت پر شدّت سے پابندی اس لئے محدّثین کو کرنی پڑی کہ بڑے بڑے عابد و متقی جان بوجھ کر جھوٹی روایتیں گھڑتے تھے۔ چنانچہ مقدمہ صحیح مسلم سے چند واقعات نقل ہیں۔

حضرت سفیان سے روایت ہے کہ ایک شخص نے جابر بن یزید جعفی سے اس آیت کا مطلب پوچھا فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِىْٓ اَبِىْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِىْ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ میں اس سرزمین سے نہ جاؤں گا جب تک کہ میرے باپ اجازت نہ دیں یا خدا میرے لئے فیصلہ نہ کردے

صحیح بخاری کی مستد حدیثوں کے لئے یہ شرط مقرر فرمائی کہ بحدامکان ہر صحابی سے دو مشہور تابعیوں نے روایت کی ہو اس طرح سلسلۂ روایت ہر طبقہ میں بڑھتا ہوا امام بخاری تک پہنچنا چاہیئے۔

یہ بھی امام صاحب کی شرط ہے کہ ہر راوی مسلم۔ صادق۔ غیر مدلس۔ متصف بصفات عدالت قوی الحافظہ۔ سلیم الذہن۔ سلیم الاعتقاد۔ قلیل الوہم ہو۔

۲۔ معنعن روایت یعنی ایک سے دوسرا شخص جب لفظ عن یعنی (سے) سے روایت کرے تو ایسے راوی کا اس شخص سے ملنا ثابت ہونا چاہیئے۔

۳۔ اس حدیث کی صحت پر ناقدین ائمہ حدیث کا اتفاق ہو۔

۴۔ علت اور شذوذ سے خالی ہو اور راوی سب طبقۂ اعلیٰ کے ہوں جن کی مثال حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس طرح بیان فرمائی ہے کہ امام محمد بن ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے شاگردوں کے پانچ طبقے ہیں۔ طبقۂ اعلیٰ وہ ہے جو امام زہری کے فیضان صحبت سے عرصہ تک مستفید رہا۔ اس طبقہ نے بارہا آپ سے وہی روایت سنی اور سمجھی۔ یہ طبقہ ان پانچ آدمیوں پر ختم ہو جاتا ہے۔ یونس بن یزید الذہلی۔ عقیل بن خالد آلی۔ امام مالک۔ سفیان بن عیینہ۔ شعیب بن ابی حمزہ۔ دوسرے طبقہ کے وہ محدثین ہیں جو بلحاظ ثقاہت دیانت اور حافظہ کے ضرور ممتاز تھے۔ لیکن کچھ عرصہ کے لئے مدینہ منورہ آئے اور استفادہ کے بعد چلے گئے جیسے امام اوزاعی۔ امام لیث بن سعد۔ عبدالرحمٰن بن خالد۔ پھر تیسرا اور چوتھا اور پانچواں طبقہ اپنے اپنے حالات کے لحاظ سے قائم کیا گیا۔ امام بخاری پہلے طبقہ سے روایت کرتے ہیں اور کبھی کبھی دوسرے طبقہ سے بھی روایت کرتے ہیں لیکن بالاستیعاب نہیں۔ مگر امام مسلم دونوں طبقوں سے بالاستیعاب روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جامع صحیح کو سولہ برس کی محنت میں لاکھوں حدیثوں میں سے چھانٹ کر مرتب و مدون فرمایا۔ امام صاحب فرماتے ہیں میں نے ہر ہر حدیث کو لکھ کر دو دو رکعت نماز پڑھ کر خدا سے دعا کی اور مسودہ خانہ کعبہ میں بیٹھ کر مرتب کیا اور پھر اس مسودہ کو مدینہ منورہ لے جا کر حضور کے منبر و محراب کے مابین صاف کیا۔ جب اس کی تکمیل فرمائی تو تین اماموں یعنی

ابن حبّان نے ابن مہدی سے روایت کیا ہے کہ میسرہ بن عبد ربہ سے دریافت کیا گیا کہ تم ترغیب کی روایتوں کو کس سند سے بیان کرتے ہو۔ میسرہ نے کہا کہ میں ان حدیثوں کو خود ہی وضع کر لیتا ہوں تاکہ نوخیز لڑکے شہوات دنیا کو چھوڑ کر زہد و تقویٰ اختیار کریں اور عبادت کی جانب متوجہ ہوں۔ ان میں مشہور کذّاب یہ لوگ ہیں۔

ابو النضر محمد بن سائب کلبی مفسّر و واعظ کوفہ۔ مامون بن احمد سلمی ہروی۔ محمد بن عمر بن واقد قاضی بغداد مشہور بہ واقدی۔ مقاتل بن سلیمان بلخی مشہور مفسّر۔ جابر بن یزید جعفی رافضی حسن بن زیاد لولوی فقیہ کوفہ۔ ابو داؤد نخعی۔ میسرہ بن عبد ربہ بصری۔ وہب بن حفص بجلی حرّانی۔ وہب بن وہب بن کثیر بن عبداللہ بن زمعہ بن اسود بن مطّلب۔ پہلے بغداد کا قاضی تھا پھر مدینہ منوّرہ میں بعہد مہدی قاضی ہوا۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں یہ اکذب النّاس ہے۔ بہر نوع اسماء رجال کی کتابوں میں ایسے مفسّر واعظ۔ زاہد اور عبادت گذار بے حد کذّاب اور جھوٹی حدیثیں بیان کیا کرتے تھے۔ لیکن ان زہّاد و عباد میں ایسی ممتاز شخصیتیں بھی تھیں جن کی دیانت امانت صداقت اور حفظ و اتقان پر ناقدین فن حدیث کو اعتماد ہے۔ جیسے حضرت جنید بغدادی۔ ابوبکر شبلی بشر حافی وغیرہم۔

محدّثین کے لئے ایسے حالات میں سخت دشواری یہ تھی کہ وہ انسانوں کی دنیاوی عظمت و اقتدار کا خیال کریں۔ یا حضور علیہ السّلام کی ارشادات کی صحت کا لحاظ کریں۔ یحییٰ بن سعید قطّان رحمہ اللہ سے ابن خلّاد نے پوچھا کہ آپ لوگوں کے عیوب و نقائص اس پُر آشوب وقت میں برملا بیان کر دیتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا ان لوگوں کا حیات میں مدّعی ہونا حضور علیہ السّلام کی ناراضی سے بہتر ہے اگر میں باوجود علم ہونے کے کسی بددیانت جھوٹے اور خراب حافظہ والے سے روایت کروں تو حضور علیہ السّلام کو اپنا فریق بنالوں اگرچہ مگر محدّثین نے غیر معمولی کاوش۔ زہد و اتقا کے ساتھ ساتھ فن حدیث کو بحد امکان تمام پیچیدگیوں سے صاف کیا۔ لیکن سب سے زیادہ ممتاز حیثیت حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے حاصل فرمائی۔ امام ابو عبداللہ حاکم فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے

"جن میں حسب ذیل باتیں ہوں - یہ تذکرہ منصفانہ ہوگا اور ایسی منصفانہ رائے"
"خدا اور عام جماعت کے سامنے اس لئے مذموم نہیں ہے کہ روایات میں غلطیوں"
"کو چھپانا خیانت ہے اور ہر مسلمان جھوٹ اور خیانت کی وجہ سے مطعون ہوتا ہے۔"

۱- وہ جو جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں اور احادیث کو گھڑنے والے جن کو خدا تباہ کرے۔

۲- ایسے جھوٹے جنھوں نے روایتوں کو نہیں سنا مگر کہتے رہے کہ ہم نے سنا ہے۔

۳- اور ایسے فریبی اور جھوٹے جو عام طور پر مشہور تھے۔

۴- اور ایسے جھوٹے جو اپنی طرز ادا میں جھوٹے تھے لیکن حدیث میں جھوٹے نہ تھے۔

۵- اور ایسے جن کی بات پر اعتماد نہ تھا اور وہ کثرت لغزشوں کی وجہ سے غیر معتبر تھے۔

۶- اور ایسے نیک لوگ جن کی بظاہر مذہبی حالت اچھی تھی لیکن ان کی عدالت و دیانت میں شبہ تھا۔

۷- پھر ایسے محدثین جن کا حافظہ خراب تھا یا انھیں وہم کی شکایت تھی ان کی روایتیں اصول اور حرام و حلال میں غیر معتبر ہیں لیکن اور باتوں میں دوسری روایتوں کی شہادت کی وجہ سے معتبر ہو جاتی ہیں۔

۸- پھر ایسے سچے محدث یا ایسے گوشہ نشین شیوخ جن میں حفظ و اتقان کا کمال بھی نہ تھا اور قدرے نرمی بھی تھی۔

۹- پھر ایسی کثیر مخلوق جو مجہول الحال ہوں جن کی شہرت ہی نہ ہو۔

۱۰- پھر ایسے ثقہ لوگ جو بدعت کے خوگر تھے۔

پھر فرماتے ہیں ثقہ اور غیر ثقہ کی اصطلاحیں بہت ہیں۔ ایسے راوی جن کی روایت مقبول ہے ان کے یہ درجے ہیں ان کے اعلیٰ خطاب یہ ہیں۔

ثبت حجۃ ۔ ثبت حافظ ۔ ثقہ متقن ۔ و ثقۃ ثم ثقۃ

دوسرے درجے کے خطاب یہ ہیں ۔۔

صدوق ۔ لاباس بہ ۔ لیس بہ باس ۔ محلہ الصدق ۔ جید الحدیث ۔ صلح الحدیث

حضرت امام احمد بن حنبل۔ امام یحییٰ بن معین امام علی بن مدینی کے سامنے اس کو پیش کیا۔ سب نے اس کی صحت و علوئے سند پر مہر تصدیق ثبت کی۔ صرف چار روایتوں پر بحث ہوئی بالآخر وہ بھی تسلیم کی گئیں۔ امام بخاری کی جامع کے بعد صحیح مسلم کا درجہ ہے۔ زاں بعد متعدد کتب حدیث مدوّن کی گئیں۔ سنن ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ دارمی۔ دارقطنی۔ طبرانی بیہقی۔ مستدرک حاکم اور کئی مسانید، مثلاً مسند امام احمد۔ مسند ابوداؤد طیالسی۔ مسند ابوعوانہ مسند عبدالرزاق مسند شافعی وغیرہ لیکن ان محدثین نے ہر قسم کی حدیثوں کو جمع کر دیا تاکہ ناقدین اور فن جرح و تعدیل کے ماہران میں سے انتخاب کرلیں۔ حقیقتاً فن حدیث اس درجہ مشکل ہے کہ جب تک اس کے اصول و قواعد و اسمائے رجال پر کامل عبور نہ ہو اُس وقت صحیح و ضعیف کی تمیز مشکل ہے۔

بڑی ناسپاس گذاری ہوگی اگر ہم خاتمۃ المحدثین حضرت امام علامہ ذہبی رحمہ اللہ کا تذکرہ مفصّل نہ کریں۔ آپ کے تذکرہ سے قارئین کو اندازہ ہوگا کہ حضرت امام نے کس قدر کاوش و دقّت نظر سے جرح و تعدیل کے فن کو مرتّب فرمایا جو قیامت تک ساری دنیا کے لئے شمع ہدایت ہے۔ ۶۷۳ھ میں آپ پیدا ہوئے۔ عراق۔ شام۔ دمشق۔ مصر۔ مکہ مکرمہ۔ مدینہ منورہ اور اکثر بلادِ اسلامیہ میں جاجاکر آپ نے فن حدیث کو حاصل کیا۔ آپ کی تصانیف مقبول ہیں۔

تاریخ کبیر۔ تاریخ اوسط۔ تاریخ صغیر۔ مختصر سنن بیہقی۔ تخریج مستدرک حاکم۔ تذکرۃ الحفّاظ۔ میزان الاعتدال۔

آپ کی چار کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔ تاریخ کبیر۔ تخریج حاکم۔ تذکرۃ الحفّاظ۔ میزان الاعتدال

میزان الاعتدال کے مقدمہ میں آپ فرماتے ہیں:

"میں اپنی اس کتاب میں صحابۂ کرام کا تذکرہ اس لئے نہیں کروں گا کہ ان حضرات"
"کی روایات میں ضعف راویوں کی وجہ سے ہوا ہے اور نہ ان ائمہ کرام کا تذکرہ"
"کروں گا جن کی عظمت و جلالتِ شان عالم اسلام میں ایسی ممتاز ہوئی کہ ان کی پیرو دنیا"
"ہوگئی جیسے امام ابوحنیفہ۔ امام شافعی و امام بخاری، لیکن میں ان حضرات کا تذکرہ کروں گا"

بنی امیہ کے ساتھ آپ کی عقیدت کا اندازہ کرنے کے لئے عہدہ قضا پیش کیا۔ آپ نے انکار کیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کو اس پر سزا دی گئی۔ آپ کوفہ کے محدّثین کی حدیث کو مستند سمجھتے تھے اور کوفہ کے فقہ و حدیث کے آپ ماہر تھے۔ آپ سے بہت سے علماء نے فقہ کو حاصل کیا۔ آپ نے جو طریقۂ استنباط اختیار فرمایا تھا اُس کو خود فرماتے ہیں کہ پہلے میں کتاب اللہ کو دیکھتا ہوں پھر حدیث رسول اللہ کو پھر آپ کے اصحاب کے اقوال کو لیتا ہوں اور ان اقوال میں سے جس کو چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں اور جب ابراہیم - امام شعبی - حسن بصری - ابن سیرین اور حضرت سعید بن مسیّب تک معاملہ پہنچتا ہے تو مجھے یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ جس طرح ان لوگوں نے اجتہاد کیا ہے اسی طرح میں بھی اجتہاد کروں۔ آپ کے زمانہ میں کوفہ میں اور تین بڑے فقیہہ تھے۔ حضرت امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ ائمہ مجتہدین میں تھے۔ آپ کے پیرو ائمہ حدیث تھے۔ دوسرے شریک بن عبداللہ النخعی آپ ۹۵ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے مہدی کی خلافت میں کوفہ کے قاضی تھے۔ آپ اصحاب الرائے والقیاس میں شمار کئے جاتے تھے۔ بنی امیہ کے عہد میں کوفہ کے قاضی رہے۔ پھر بنی عباس کے عہد میں فقیہہ اور مفتی تھے۔ ۱۴۸ھ ہجری میں وفات پائی۔ ان تینوں فقہا میں علمی نوک جھوک رہتی تھی۔

حضرت سفیان ثوری سے تو اس لئے کہ اہل حدیث اور اہل رائے میں غلط فہمی کی وجہ سے اختلاف تھا۔ اور ابن ابی لیلیٰ سے اس لئے کہ وہ شہر کے قاضی تھے اور شریک بن عبداللہ النخعی سے معاصرانہ چشمک تھی۔ منصور نے آپ کے سامنے قضاۃ کا عہدہ پیش کیا مگر آپ نے انکار فرمایا۔ آپ کا دامن تقدس ہر قسم کی خواہشات دنیا سے پاک تھا۔ آپ کے ممتاز شاگردوں میں قاضی ابو یوسف ہیں جن کا نام یعقوب بن ابراہیم انصاری ہے اور جو ۱۱۳ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ پہلے محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی پھر حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے حلقہ درس میں شریک ہوئے اور ان کے اکابر تلامذہ میں آپ کا شمار ہوا۔ آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے امام صاحب کے مذہب میں کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپ بڑے دانشمند۔ زمانہ شناس اور بہترین فقیہہ تھے۔ علّامہ ابن خلکان فرماتے ہیں ماکان فی اصحاب حنیفۃ مثل ابی یوسف لولا ابو یوسف ماذکر ابو حنیفۃ = یعنی امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں

شیخ وسط ۔ شیخ حسن الحدیث ۔ صدوق انشاء اللہ ۔

غیر ثقہ میں سب سے بڑھ کر خطاب یہ ہیں :۔

دجّال ۔ کذّاب ۔ وضّاع ۔ متہم بالکذب ۔ متفق علیٰ ترکہ ۔ متروک الحدیث ۔

ان سے کم تر الفاظ یہ ہیں :۔

لیس بثقة ۔	سکتوا عنہ ۔	ذاھب الحدیث ۔	فیہ نظر ۔	ہالک ۔	ساقط ۔	واهٍ بمرة
ثقہ نہیں ہے	اس سے سکوت کیا گیا	حدیث اڑانے والا	قابل غور ہے	تباہ شدہ ہے	گرا ہوا ہے	حقیقتاً بیہودہ ہے
لیس بشئ	ضعیفٌ جداً	ضعفوہ	فیہ ضعف	لیس بالقوی	لیس بحجة	فیہ مقال
کچھ بھی نہیں ہے	بے حد ضعیف ہے	اس کو لوگوں نے ضعیف کہا ہے	اس میں ضعف ہے	قوی نہیں ہے	قابل سند نہیں ہے	اس میں کلام ہے

لیس بذاک	سئ الحفظ	صدوق لکنہ مُبتدعٌ	اختلف فیہ ۔
ویسا نہیں ہے	حافظہ خراب تھا	سچا ہے لیکن بدعتی ہے	لوگوں کی رائے اس میں مختلف ہے ۔

آپ کی تمام تصانیف قابلِ عظمت ہیں ۔ ۳ ذیقعدہ ۲۴۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا ۔

یہ تو مختصراً محدّثین کا اور ان کی مساعی جمیلہ کا تذکرہ تھا ۔ دوسرا گروہ فقہائے کرام کا پیدا ہوا ۔ ان میں کوفہ میں ممتاز ہستی حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تھی ۔ آپ کا نام نعمان بن ثابت زوطی تھا اور ۸۰ھ میں آپ پیدا ہوئے ۔ آپ کوفہ میں ریشمی کپڑوں کی تجارت کرتے تھے ۔ دوسری صدی کی ابتداء میں حمّاد بن ابی سلیمان اور عطاء بن رباح سے فقہ و حدیث کو حاصل کیا ۔ آپ کے زمانہ میں کوفہ میں دو انقلاب انگیز ہستیاں پیدا ہوئیں ۔ ایک حضرت زید بن علی بن الحسین علیہ السلام اور جنھوں نے ۱۲۲ھ میں ہشام بن عبدالملک کی خلافت اور یوسف بن عمر الثقفی کی امارت میں عراق میں خروج کیا اور شہید ہوئے ۔ دوسرے عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر جنھوں نے ۱۲۷ سنہ ہجری میں بغاوت کی ۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے زید شہید کی مدح سرائی فرمائی ۔ یزید بن ہبیرہ نے جو مروان بن محمد کی جانب سے عراق کا والی تھا

وہ حضرت امام ابوحنیفہ و امام ابویوسف و امام محمد رحمہم اللہ سب کے شاگرد ہیں۔ انھوں نے ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ محدثین کی رائے ان کے متعلق اچھی نہیں ہے۔

عراقیوں کا مذہب انھیں چار حضرات سے پھیلا۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ اور امام محمد کو عباسیوں کے دربار میں جو تقرب و خصوصیت حاصل تھی اس نے دوسرے اکابر اہل حدیث پر فوقیت حاصل کرلی۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ان کو جو نسبت تھی وہ معلم و متعلم کی تھی۔ یہ حضرات خود فتویٰ دیتے اور اجتہاد کرنے میں مستقل حیثیت رکھتے تھے۔ اکثر مسائل میں ان میں باہمی اختلاف ہوتا تھا۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ و امام محمد جب اہل حجاز کی احادیث سے واقف ہوئے تو انھوں نے بہت سی باتوں سے رجوع کرلیا۔ ان کو اپنے استاد کی موافقت یا مخالفت کا کچھ خیال نہ تھا۔ چنانچہ امام ابویوسف کی کتاب الخراج و دیگر تصانیف میں اس کی مثالیں ملیں گی۔ علاوہ ازیں قاضی عبیداللہ بن عیسیٰ دبوسی جو سات مشہور قاضیوں میں سے گذرے ہیں اور بخارا و سمرقند کے ممتاز حنفیوں میں ان کا شمار تھا، ۴۳۲ھ میں ان کا انتقال بخارا میں ہوا۔ آپ کی کتاب تاسیس النظر ہے۔ آپ اس میں فرماتے ہیں:

" القول فی القسم الذی فیہ خلاف بین ابی حنیفۃ و صاحبیہ الاوّل الاصل عند ابی حنیفہ

پہلی قسم اس اختلاف کی ہے جس میں امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین یعنی امام ابویوسف و امام محمد

علی ما ذکرہ الحسن الکرخی ان ما غیر الفرض فی اوّلہ غیرہ فی اٰخرہ مثل نیتۃ المسافر "

میں اختلاف ہے۔ امام صاحب کے نزدیک یہ اصول کہ جو چیز شروع میں فرض کو متغیر کرتی ہے، وہ آخر میں بھی کرتی ہے۔ جیسے مسافر کی نیت۔

یعنی مسافر نماز پڑھنے سے پہلے اگر اقامت کی نیت کرے تو اس پر اتمام فرض ہو جاتا ہے اسی طرح نماز کے خاتمہ پر ختم سے پہلے اقامت کی نیت کرے تو اتمام فرض ہو جائیگا۔

اسی طرح قاضی دبوسی رحمہ اللہ نے ان ائمہ کے باہمی اصولی اختلاف کو نمایاں کیا ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ حضرات حضرت امام کے مقلد نہ تھے۔ نہ اس زمانہ میں تقلید کا رواج تھا۔ بلکہ خود اصول و فروع میں اپنی رائے و اجتہاد سے بھی کام لیتے تھے۔ ان ائمہ کے باہمی اختلافات کا تذکرہ

قاضی ابویوسف کا مثل نہ تھا۔ اگر یہ نہ ہوتے تو امام صاحب کا تذکرہ بھی نہ ہوتا۔

علامہ شامی نے حاشیہ درمختار میں ایک واقعہ لکھا ہے۔

ان الرشید احضر ابا یوسف لیلاً وعندہٗ عیسٰی بن جعفر فقال طلبت من ہذا جاریۃً فاخبرا نہ حلف ان لا یبیعہا ولا یہبہا فقال ابویوسف بعہ النصف وہبہ النصف ففعل فارا د الرشید سقوط الاستبراء فقال اعتقہا وتزوجہا ففعل وامرلہٗ بمائتۃ الف درہم وعشرین دست ثیاب۔

ہارون الرشید نے ایک رات امام ابویوسف کو بلایا اور ان کے پاس عیسٰی بن جعفر بیٹھے تھے ہارون الرشید نے قاضی ابویوسف سے کہا کہ میں نے اس سے ایک لونڈی مانگی تو یہ کہتا ہے کہ میں نے اس کے بیچنے اور ہبہ کرنے سے قسم کھائی ہے۔ قاضی ابویوسف نے کہا کہ آدھی بیچ دو اور آدھی ہبہ کردو۔ پھر ہارون الرشید نے چاہا کہ استبراء رحم کی عدت اس لونڈی سے ساقط ہوجائے۔ قاضی صاحب نے فرمایا اس کو آزاد کردیجئے آزاد ہونے کے بعد قاضی صاحب نے اس کا نکاح ہارون الرشید سے کردیا۔ قاضی صاحب کو ایک لاکھ درہم اور بیس تھان کپڑے کے عنایت کئے۔

تاریخ الخلفاء میں بھی حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے آپ کی ذہانت کے مختلف قصے لکھے ہیں۔ آپ کو ہارون رشید نے قاضی القضاۃ تمام سلطنت کا مقرر کردیا اور تمام قاضی آپ کے مشورہ سے مقرر ہوتے تھے۔ دوسرے حضرت امام محمد بن حسن بن فرقد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں آپ ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے اہل عراق کا طریقہ سیکھا۔ حضرت امام صاحب کا انتقال ۱۵۰ھ میں ہوگیا۔ اس لئے اپنے علوم کی تکمیل قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے فرمائی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۸۹ھ میں انتقال فرمایا۔ تیسرے شاگرد زفر بن ہذیل کوفی ہیں۔ آپ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ پہلے ظاہر حدیث پر عمل کرتے رہے پھر رائے کا غلبہ ہوگیا۔ علماء محدثین فرماتے ہیں کہ امام ابویوسفؒ سب سے زیادہ تتبع حدیث اور امام محمد سب سے زیادہ کثیر التفریع اور امام زفر سب سے زیادہ قیاس کرنے والے تھے۔ حضرت امام صاحب کے شاگردوں میں بعد امام صاحب ۱۵۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ چوتھے شاگرد حسن بن زیاد لولوی ہیں جو انصار کے غلام تھے

بن عثمان بن شافع الشافعی المطلبی قریشی۔ آپ عسقلان کے قریہ غزہ میں ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ دو سال کی عمر میں ان کی والدہ ان کو مکہ لے آئیں بچپن میں قرآن حفظ کر لیا اور ہذیل کے بدوؤں میں جو افصح العرب تھے چلے گئے۔ ان میں رہ کر ادب و فصاحت سیکھ کر آئے۔ شیخ الحرم مسلم بن خالد زنجی کے شاگرد ہوئے۔ اس کے بعد مدینہ منورہ آئے اور مؤطا امام مالک خوب یاد کی اور امام مالک کو سنائی وہ بیحد خوش ہوئے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے تمام شیوخ مدینہ۔ مکہ۔ مصر و عراق سے علم حدیث و فقہ کو حاصل کیا۔ تمام ائمہ میں امام شافعی نے اپنے مذہب کی خود اشاعت کی اور اپنی تصانیف کو جگہ جگہ پھیلایا۔ یوں تو آپ کی تمام تصانیف بحیثیت مجموعی ممتاز ہیں۔ لیکن رسالہ اصول جو اپنی خصوصیت علمی کے ساتھ منتخب روزگار رہے وہ اصول فقہ و حدیث کا سنگ بنیاد ہے۔ آپ نے جو چند اصول مقرر فرمائے ہیں یہ ہیں :- ۱- دین کا مدار قرآن و حدیث پر ہے۔ ۲- صحیح حدیث ہر شہر کی قابل عمل ہے۔ یہ لازمی نہیں ہے کہ وہ عراقی ہو یا حجازی بلکہ ہر ہر شہر کے ثقہ اور متدین افراد کی روایات قابل قبول و عمل ہیں۔ ۳- حدیث اپنے ظاہری معنی پر محمول ہونی چاہئے اور جب اس میں چند معنی کا احتمال ہو تو ظاہر حدیث اور حالات وقت کے لحاظ سے جو قرین مصلحت ہونگے وہی معنی ہونگے۔ ۴- جب چند حدیثیں متعارض ہوں تو جس کی سند زیادہ سے زیادہ صحیح ہوگی وہ قابل قبول ہوگی۔ ۵- حدیث منقطع یا مرسل بجز سعید بن مسیب کے اور کسی کی قابل استناد نہیں ہے۔ ۶- اجماع خبر واحد سے بڑھ کر ہے۔ ۷- اقوال صحابہ اگر حدیث کے خلاف ہوں تو حدیث پر عمل کیا جائیگا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی ذات حجازیوں اور عراقیوں کی فقہ اور بدوؤں کی فصاحت و بلاغت کا مجموعہ تھی۔ اس لئے وہ فن مناظرہ اور انشا پردازی میں یکتا تھے۔ ان کی تحریر اس زمانے کے بلیغ ترین انشا پردازوں مثلاً جاحظ وغیرہ کے ٹکر کی تھی۔ انھوں نے امام محمد رحمہ اللہ سے کئی مناظرے کئے جن کی خبر ہارون رشید کو جب ملی تو ان سے بہت خوش ہوا۔ پھر آپ عراق سے حجاز واپس آئے اور وہاں غیر معمولی علمی شہرت حاصل کی۔ پھر ۱۹۸ھ میں وہ تیسری مرتبہ عراق آئے اور چند مہینے ٹھہر کر مصر کا سفر کیا۔ اس وقت مصریوں میں امام مالک کا طریقۂ مذہب پھیلا ہوا تھا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے تذکرہ میں ہوگا۔ دوسرے امام۔ حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ ہیں آپ مدینہ منورہ میں ۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ سب سے پہلے عبدالرحمٰن بن ہرمز کے شاگرد ہوئے پھر حضرت امام نافع و محمد ابن شہاب زہری سے تعلیم حاصل کی۔ جب ستر شیوخ نے روایت و فتوے کی مسند پر بٹھایا تب آپ نے درس حدیث و فتویٰ و اجتہاد کا سلسلہ جاری کیا۔ امام مالک مدینہ منورہ میں امام حدیث تسلیم کئے جاتے تھے۔ آپ سے حضرت سفیان ثوری حضرت سفیان بن عیینہ۔ امام محمد امام ابویوسف امام شافعی امام لیث بن سعد۔ امام اوزاعی امام عبداللہ بن مبارک نے احادیث کو روایت کیا۔ امام مالک رحمہ اللہ اپنے فتاوے میں پہلے قرآن مجید پھر رسول کریم کی احادیث جو آپ کے نزدیک صحیح تھیں عمل کرتے تھے (اور ان روایتوں کا دارومدار علمائے حجاز کی روایتوں پر اسی طرح تھا جس طرح امام ابوحنیفہ کو عراق والوں پر اعتماد تھا) لیکن جب آپ کو حدیث یا تعامل صحابہ نہیں ملتا تھا تو آپ قیاس پر اعتماد کرتے تھے جس طرح حنفیہ کی طرف "استحسان" کی نسبت کی گئی ہے آپ کی طرف "عمل بالمصالح المرسلہ" کی نسبت بھی کی گئی ہے مصلحت مرسلہ یہ ہے کہ کسی ایسے مقصد شرعی کی حفاظت کی جائے جس کا مقصد شرعی ہونا کتاب یا سنت یا اجماع سے معلوم ہو اس کا مقصود ہونا ایک دلیل سے نہیں بلکہ مجموعۂ حالات کے قرائن اور متفرق علامتوں سے معلوم ہو۔ امام مالک رحمہ اللہ نے ۱۷۹ھ ہجری میں وفات پائی۔ مصریوں میں ان کے شاگرد ابومحمد عبداللہ بن وہب بن مسلم۔ عبدالرحمٰن بن قاسم العتقی۔ اشہب بن عبدالعزیز القیسی۔ عبداللہ بن عبدالحکم۔ اصبغ بن فرج الاموی محمد بن عبداللہ بن عبدالحکیم۔ ان لوگوں کی وجہ سے مصر میں امام مالک کا مذہب اور اجتہاد پھیلا۔ افریقہ اور اندلس میں زیاد بن عبدالرحمٰن قرطبی۔ عیسیٰ بن دینار اندلسی یحییٰ بن یحییٰ کثیر اللیثی۔ عبدالملک بن حبیب بن سلیمان۔ ابوالحسن بن زیاد تونسی۔ اسد بن فرات۔ عبدالسلام بن سعید سحنون۔ یہ حضرات اکابر تلامذۂ حضرت امام مالک ہیں۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کے شائع کرنے والے ہیں۔ ان حضرات کو امام مالک سے وہی نسبت تھی جو ایک شاگرد کو استاد سے ہوتی ہے۔

تیسرے امام۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کا نام محمد بن ادریس بن عباس

دو باتوں میں اختلاف کیا۔

۱۔ آپ خبر واحد پر بلا شرط عمل کرتے ہیں۔

۲۔ آپ اقوال صحابہ کو قیاس پر مقدم سمجھتے ہیں۔

آپ کا شمار فقہائے اہل حدیث میں ہے۔ آپ کی مسند میں تقریبًا چالیس (تیس) ہزار روایتیں ہیں آپ کے بیٹے عبد اللہ نے آپ سے روایت کر کے اس کو جمع کیا ہے۔ اصول میں آپ کی کتاب طاعۃ الرسول کتاب الناسخ والمنسوخ ہے۔ فن حدیث کے آپ بڑے نقاد تھے۔ اس میں ایک کتاب کتاب العلل ہے۔ آپ کے تین مشہور شاگرد ہوئے۔

۱۔ ابوبکر احمد بن محمد بن ہانی المعروف بالاثرم۔ انھوں نے فقہ میں ایک کتاب از نام کتاب السنن امام احمد رحمہ اللہ کے ان دو اصولوں پر مرتب فرمائی ہے اور اس پر حدیث سے شواہد لائے ہیں۔

۲۔ احمد بن محمد بن الحجاج المروزی۔ انھوں نے بھی اسی طریقہ پر کتاب السنن لکھی ہے۔

۳۔ امام اسحٰق بن راہویہ۔ یہ آپ کے ممتاز شاگرد اور مجتہد ہیں۔

مامون نے مسئلہ خلق قرآن کو چھیڑا تو اس آزمائش میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ثابت قدم رہے۔ اس استقلال کی وجہ سے تمام علماء نے آپ کو امام العلماء تسلیم کر لیا۔ سنہ ۲۴۱ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا۔

ائمہ شیعہ

اس دور میں شیعوں کے دو مذہب مشہور تھے۔ یعنی شیعہ زیدیہ۔ اور شیعہ امامیہ۔

زیدیہ فرقہ، حضرت زید بن علی بن حسین بن علی کرم اللہ وجہ کی طرف منسوب ہے۔ آپ نے کوفہ میں ہشام بن عبد الملک کے مقابلہ میں بغاوت کی۔ زیدیہ کے مذہب کے اصول کی رو سے ان کے ائمہ میں اجتہاد کی شرط ضروری ہے۔ ان میں بکثرت ائمہ مجتہدین پیدا ہوئے۔ اس دور میں ان کے سب سے بڑے داعی امام حسن بن علی بن حسن بن زید تھے۔ آپ نے مذہب زیدیہ کے متعلق بہت سی کتابیں لکھیں یہ مذہب بلاد یمن میں پھیلا۔ اس دور کے بہت سے علماء و محدثین امامت کے متعلق زیدیہ خیالات کے تھے۔

مصر میں امام شافعی کی قابلیت کا شہرہ ہوگیا۔ یہاں تک کہ ۲۰۴ سنہ ھ میں آپ کا وہیں انتقال ہوگیا اور موت وحیات دونوں میں مصری ان کو امام سمجھتے رہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی متعدد تصانیف ہیں بے مثل اور بے مثال کتاب الام ہے۔ اسلوب بدیع۔ وقت تعبیر اور قوت استدلال میں اس کا جواب نہیں ہے۔ اس کتاب کے ساتھ اور چند کتابیں ملحق ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب ان مسائل کے متعلق ہے جس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وامام ابن ابی لیلیٰ کا اختلاف ہے۔

ایک کتاب اختلاف حضرت علی کرم اللہ وجہہ وحضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہے اس میں امام شافعی رحمہ اللہ نے ان مسائل کو جمع کر دیا ہے جن میں امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ نے اہل عراق کے دونوں صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود وحضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اختلاف کیا ہے۔

ایک کتاب اختلاف مالک والشافعی کے نام سے ہے اس میں آپ نے اصحاب امام مالک سے اس بارہ میں مناظرہ کیا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے تائید حدیث کے لئے جو ائمہ کے عمل کی شرط لگائی ہے یہ صحیح نہیں ہے بلکہ جب ثقہ راوی نے ثقہ سے روایت کی یہاں تک کہ اس کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا تو وہ حدیث ثابت اور قابل عمل ہے۔

ایک کتاب ابطال الاستحسان ہے۔ اس میں فقہائے عراق کے قول بالاستحسان کی تردید ہے۔ ایک کتاب کتاب الرد علی محمد بن الحسن ہے۔ یہ حقیقتاً امام محمد رحمہ اللہ کے ان اقوال کی تردید ہے جو انھوں نے اہل مدینہ کے خلاف جوابات دیئے تھے۔ ایک کتاب سیر الاوزاعی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ نے جو امام اوزاعی کی تردید کی تھی امام شافعی نے امام اوزاعی کی جانب سے اس کا جواب دیا ہے۔

چوتھے امام حضرت امام احمد بن حنبلؒ ہیں، اگرچہ حضرت امام شافعی کے شاگردوں میں بڑے بڑے حضرات ہیں۔ لیکن ان سب میں ممتاز حضرات امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ہیں۔ آپ ۱۶۴ سنہ ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ اور اس دور کے اکابر محدثین سے روایتیں کیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ جب بغداد آئے تو امام احمدؒ نے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ آپ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے

ان کا مذہب رائج تھا۔ آپ شام کے قاضی بھی رہ چکے ہیں۔ پھر بنو امیہ کی اولاد جب اندلس گئی تو امام اوزاعی کا مذہب بھی اندلس میں گیا۔ پھر تیسری صدی کے نصف میں امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کے مقابلہ میں شام میں اور امام مالک کے مذہب کے مقابلہ میں اندلس میں اس مذہب کا چراغ بجھ گیا۔ امام اوزاعی نے ۱۵۷ھ ہجری میں انتقال کیا۔

۲۔ ابو سلیمان داؤد بن علی المعروف بالظاہری ۲۰۲ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ امام اسحٰق بن راہویہ اور امام ابو ثور سے علم حاصل کیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے اصول کے بے حد حامی تھے۔ امام شافعی کے حالات و فضائل میں دو کتابیں لکھیں اس کے بعد انھوں نے خود اپنا مذہب جاری کیا۔ وہ بالکل ظاہر حدیث و قرآن پر عمل کرتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی نص نہ ملے تو اجماع پر عمل کرتے ہیں۔ امام داؤد ظاہری نے بہت سی کتابیں لکھیں :۔

کتاب ابطال التقلید ۔ کتاب ابطال القیاس ۔ کتاب خبر الواحد ۔ کتاب الخبر الموجب للعلم کتاب الحجہ ۔ کتاب الخصوص والعموم ۔ کتاب المفسر والمجمل ۔

پانچویں صدی کے نصف تک امام داؤد ظاہری کے مذہب کا اتباع کرنے والے تھے۔ اس کے بعد یہ مذہب ختم ہو گیا۔ ابن حزم اندلسی المتوفی ۴۵۶ھ کی کتاب المحلی میں امام داؤد کے ایسے مسائل جس میں وہ جمہور کے مخالف ہیں، کئی ہیں۔

۳۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ ۲۲۴ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ کتاب اللہ کے حافظ۔ اصول واقوال و فتاوئی صحابہ و تابعین کے ماہر۔ تاریخ کے فاضل تھے۔ آپ کی تصانیف میں آپ کی تفسیر اس وقت تک ام التفاسیر ہے اس سے زیادہ مستند اور جامع کوئی تفسیر نہیں ہے۔ تفاسیر سب اسی سے نکلی ہیں۔ اسی طرح آپ کی تاریخ مستند و مکمل تاریخ ہے۔ آپ کی چند اور کتابیں ہیں۔ کتاب تہذیب الآثار۔ کتاب اختلاف الفقہا۔ کتاب البسیط۔ کتاب الحکام والمحاصر والسجلات ۔ آپ نے ربیع بن سلیمان سے مصر میں فقہ شافعی کو سیکھا۔ اور بنی عبد الحکم سے فقہ مالک حاصل کیا۔ اور ابو مقاتل سے رے میں عراقیوں کی فقہ کو سیکھا۔ اس کے بعد آپ نے خود اجتہاد کیا اور ایک مذہب جاری کیا

شیعوں کے مذاہب میں یہ مذہب جمہور اہل سنت سے زیادہ قریب ہے۔ زیدیہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کو حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے امامت کا زیادہ مستحق سمجھتے ہیں۔ لیکن ان دونوں خلفاء کی تنقیص نہیں کرتے یعنی حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما۔

دوسرا طبقہ شیعہ امامیہ کا ہے۔ یہ اثناء عشریہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس مذہب کی بنیاد یہ ہے کہ ائمۂ اہل بیت معصوم ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہ حضور علیہ السّلام کے وصی ہیں۔ ان کے نزدیک ائمہ کے اقوال شارع کے نصوص کے مثل ہیں۔ یہ طبقہ اجماع اور قیاس کو نہیں مانتا۔ اجماع کا انکار اس لئے ہے کہ جو شخص ائمہ میں سے نہیں ہے اُس کی رائے اور قیاس کو نہیں مانتا۔ اور قیاس ایک رائے ہے۔ شیعہ اثناء عشریہ کا اس پر اتفاق ہے کہ میراث میں حقیقی چچا زاد بھائی علاتی چچا پر مقدم ہے۔ وہ چچا پر اس لئے مقدم کرتے ہیں کہ حضور علیہ السّلام کی وراثت میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کا حق حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر مقدم ہو جائے۔ ان کے متعدد مسائل اہل سنت کے خلاف ہیں۔

ان کے سب سے بڑے امام حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام ہیں اور حضرت امام باقر علیہ السّلام ہیں۔ شیعہ اثناء عشریہ کی فقہ کا دارو مدار ان دونوں اماموں پر ہے۔ ان کی فقہ کے مدوّن کرنے میں ابوالنصر محمد بن مسعود العیاشی اور ابو علی محمد بن احمد بن الجنید اور زرارہ بن اعین ہیں۔ یہ حضرت امام باقر علیہ السّلام کے شاگرد تھے اور ان کے لڑکے حسین بن زرارہ اور حسن بن زرارہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کے شاگرد ہیں۔

فناشدہ مذاہب

فقہا کے متعدد مذاہب تھے جو تیسری اور چوتھی صدی تک چلے۔ لیکن پھر امتداد زمانہ کی وجہ سے دیگر مذاہب ان پر غالب آگئے۔ اور وہ ان مذاہب میں ضم ہو گئے۔ جن کی تفصیل یہ ہے :۔

۱:۔ ابو عبدالرحمٰن بن محمد اوزاعی ۔ امام اوزاعی ۸۸ سنہ ہجری میں بعلبک میں پیدا ہوئے حضرت عطاء بن ابی رباح اور امام زہری کے شاگرد خاص ہیں۔ آپ قیاس کے مخالف تھے۔ اہل شام میں

اس کا جواب بھی تیار کر لیا ہے۔ مفتی یا قاضی کے لئے کوئی وقت نہیں چھوڑی گئی۔ رہی یہ بات کہ ان مسائل کے وجود کا تصور مشکل ہے تو واقعی قابل تعجب ضرور ہے اور جو وقت ان مسائل کی تفریع پر صرف ہوا وہ بھی قابل تعجب ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب مبسوط تقریباً تین ہزار صفحات کی ضخیم کتاب ہے اور قاضی و مفتی کے لئے عمدہ ذخیرہ ہے تفریعات کا سلسلہ ابواب عبادات تک بھی پہنچا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی ضخیم کتاب کتاب الام ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا طریقۂ تحریر نرالا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ پڑھنے والا اصول فقہ سیکھے اور استنباط کے طریقے معلوم کرے اور مجتہد اپنے اجتہاد سے جس نتیجہ پر پہنچا ہے اس کے دلائل بیان کرتے ہیں۔ تفریعات اور فرضی مسائل سے انھوں نے بحد امکان احتراز کیا ہے۔ امام مالک کے مذہب کی کتاب المدونہ میں تفریعی مسائل ضرور ہیں۔ بالخصوص طلاق کے بے حد مسائل ہیں۔

ان ممتاز ائمہ کے بعد تاریخی واقعات میں سب سے عجیب و غریب واقعہ یہ ہے کہ ایک مذہبی مقنن ایسے مسائل فرض کرے اور لوگوں کو ان کی تعلیم اس غرض سے دے کہ وہ احکام شرعیہ سے کیوں کر نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ ایک مسلمان جو کسی بات کو مذہبی یقین کرتا ہے پھر وہ ایک مذہبی آدمی کو دینی احکام میں حیلہ تراشی کرتے دیکھے تو اس پر کیا اثر پڑے گا۔ افسوس اس دور میں کسی نامعلوم شخص نے ایک کتاب از نام "کتاب الحیل" مرتب کی۔ علمائے اہل حدیث نے اس کا شدید مقابلہ کیا۔ ان لوگوں نے عراق کے علمائے اہل الرائے پر اس کا الزام لگایا۔ لیکن یہ تعین نہ کر سکے کہ وہ کون ہے۔ اس کے بعض مسائل سے مصنف کی کمزوری کا پتہ چلتا ہے۔ چونکہ جو شخص ایک مسلمان کے لئے فریضۂ زکوٰۃ کے چھوڑ دینے میں آسانی پیدا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جب سال قریب ختم کے ہو تو تھوڑے دن کے لئے اپنا مال اپنے لڑکے یا بیوی پر ہبہ کر دو۔ پھر اس سے اپنے اوپر ہبہ کرا لو۔ چونکہ جب نیا سال شروع ہو گا تو زکوٰۃ لازم نہ ہوگی شائل حیل میں جرم کے لحاظ سے یہ چھوٹی سی مثال ہے۔ علامۂ ابن قیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین میں بڑی تفصیل سے اس مبحث پر بحث فرمائی ہے۔ اس میں آپ نے مذاہب اربعہ کے فقہائے متاخرین کی

پانچویں صدی تک آپ کا مذہب مشہور رہا اور اس کے بعد ختم ہو گیا۔

۴۔ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ۔ آپ ۱۴ شعبان ۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے فن حدیث امام نافع۔ یحییٰ بن سعید انصاری۔ ابن شہاب زہری۔ ہشام بن عروہ وعطاء رباح سے حاصل کی۔ محدثین آپ کو امام الحدیث مانتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام لیث بن سعد کا درجہ فقہ میں امام مالک رحمہ اللہ سے زیادہ تھا۔ لیکن آپ کے شاگرد آپ کی فقہ کو ابھار نہ سکے۔ ورنہ آپ کا مذہب امام مالک رحمہ اللہ سے کہیں آگے پہنچ جاتا۔ دوسری صدی کے آخر ہی میں آپ کا مذہب مصر میں ختم ہو گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ دور اجتہاد کا دور تھا۔ اس میں تقلید محض کا اثر نہ تھا۔ بالخصوص طبقہ اولیٰ کے ائمہ کے تلامذہ میں تو تقلید کا شائبہ نہ تھا۔ اس کے بعد کے طبقات میں یقیناً تقلید کی جھلک پائی جاتی ہے لیکن ان میں بھی جب کوئی شخص اجتہاد و استنباط کی قدرت پاتا تھا تو فوراً وہ جھلک بھی مٹ جاتی تھی۔

تفریع مسائل کا دور

پہلی صدی اور دوسری صدی کے وسط تک فقہ نہایت سادہ تھی چونکہ جو واقعات پیش آتے تھے اُنھیں پر فقہا اجتہاد کرتے تھے۔ اور فرضی مسائل پر کوئی حکم صادر نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن دوسری صدی کے آخر تک نہایت وسعت کے ساتھ مسائل ایجاد کئے اور ان کے احکام مستنبط کئے۔ اہل عراق کو ایسے مسائل اور احکام میں فوقیت حاصل تھی۔ ان لوگوں نے قوت تخیل پر اعتماد کیا اور ہزاروں مسائل ایسے نکالے جن میں بعض کا وجود تو ممکن ہے اور بعض ایسے ہیں جن کا وجود ناممکن ہے۔ ایسے مسائل میں تین عنوانات کے سلسلہ میں ہزاروں مسائل پیدا کئے گئے ہیں۔ غلام اور ان کے تصرفات۔ بیویوں کے معاملات اور طلاق و قسم۔

غلاموں کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں غلام بکثرت قبضہ میں تھے۔ اور ان کے تحفظ کے لئے ان کے خیالات مبذول ہوئے۔ بیع اجارہ۔ شرکت۔ رہن۔ وصیت اور عتق وغیرہ سب میں غلاموں کے مسائل نظر آئیں گے۔

طلاق کے متعلق جس قدر مسائل اور قیود و پابندیاں ہیں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت پر اقتدار کے تحفظ کا خیال ہو۔ اگر ایک ہذیانی آدمی سے مسائل کے وقوع کا تصور ہو سکے تو انھوں نے

چار صدی کے بعد چار مصلّے قائم کئے گئے پھر اس قدر جنگ بڑھی کہ ایک مذہب والے نے دوسری مذہب کی کتابیں جلانے میں اور توہین میں کسر نہ اٹھا رکھی۔ بہرحال اس دور کے فقہا اپنے ائمہ سابقین کے مذاہب کے مکمل کرنے والے سمجھے جاتے تھے۔ ان کے ائمہ سے جو مختلف روایتیں مروی تھیں انھوں نے ان میں ترجیح دی، اور ان کے وجوہ و علل اپنی سمجھ سے ظاہر کئے اور جن مسائل میں ائمہ سابقین کی کوئی تصریح نہ تھی ان میں علل پر قیاس کر کے ان کا فتویٰ دیا۔ اس دور کے فقہا ان مذاہب کے متعدد تھے۔ حنفیہ کے یہ بیس مشہور ہیں:-

۱۔ ابوالحسن عبیداللہ بن الحسن الکرخی رحمہ اللہ جو عراق میں حنفیہ کے سردار اور اکابرین میں شمار کئے جاتے ہیں سنہ ۲۶۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور سنہ ۳۴۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کا شمار مجتہدین فی المسائل میں ہے۔

۲۔ ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاص۔ یہ کرخی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ ان کا انتقال سنہ ۳۷۰ ہجری میں ہوا۔ ۳۔ محمد بن عبداللہ البلخی الہندوانی، وہ چھوٹے ابوحنیفہ کہلاتے تھے۔ بلخ کے ممتاز فقیہہ تھے۔ سنہ ۳۶۲ھ میں بخارا میں انتقال ہوا۔ ۴۔ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی مشہور بہ امام الہدیٰ سنہ ۳۷۳ھ میں انتقال ہوا۔ ۵۔ ابوعبداللہ یوسف بن محمد جرجانی۔ کرخی کے شاگرد تھے۔ متعدد تصانیف لکھیں۔ سنہ ۳۹۸ھ میں انتقال ہوا۔ ۶۔ ابوالحسن احمد بن محمد القدوری البغدادی مشہور مصنف قدوری ہیں۔ سنہ ۴۲۸ھ میں انتقال ہوا۔ ۷۔ ابوزید عبیداللہ بن عمر الدبوسی سمرقندی۔ سمرقند اور بخارا کے مشہور قاضی ہیں۔ سنہ ۴۳۰ھ میں انتقال ہوا۔ ۸۔ ابوعبداللہ حسین بن علی صمیری۔ مشہور قاضی احناف ہیں سنہ ۴۳۶ھ میں انتقال ہوا۔ ۹۔ ابوبکر محمد بن حسین بخاری۔ وہ ماوراء النہر کے مشہور فقیہہ تھے۔ سنہ ۴۳۳ھ میں انتقال ہوا۔ ۱۰۔ شمس الائمۃ عبدالعزیز بن احمد الحلوانی البخاری۔ بخارا کے مشہور فقیہہ تھے۔ سنہ ۴۴۸ھ میں انتقال ہوا۔ ۱۱۔ شمس الائمہ محمد السرخسی آپ حلوانی کے ممتاز شاگرد تھے۔ پانچویں صدی کے آخر میں انتقال ہوا۔ ۱۲۔ ابوعبداللہ محمد بن علی الدامغانی۔ عراق میں حنفیہ کی ریاست کا ان پر خاتمہ ہوا۔ آپ قدوری کے شاگرد ہیں۔ سنہ ۴۷۸ھ میں

مجوزہ حیلوں پر شدید نکتہ چینی فرمائی ہے۔

۵۔ فقہ کا وہ دور جس میں ائمہ مجتہدین کے مسائل اجتہاد کی تحقیق کے جدل کی گرم بازاری اور ضخیم کتابیں تیار ہوئیں اور کثرت سے فقہی مسائل پیدا ہوئے۔ یہ دور سلطنت عباسیہ کے زوال تاتاری غارتگری کے آغاز اور اس کے کچھ دنوں بعد تک مصر میں قائم رہا پھر ختم ہوگیا

گذشتہ دور میں جو بے تعصبی تھی وہ ظاہر ہے۔ ایک ہی شہر میں ایک دو تین مجتہد ہوتے تھے اور ہر ایک اجتہاد کرتا تھا۔ ان میں باہمی بغض وعناد نہ تھا۔ چنانچہ امام لیث بن سعد نے امام مالک کو ایک سخت خط لکھا، مگر دونوں باہمی بڑی محبت رکھتے تھے اور ایک دوسرے کا احترام کرتا تھا۔ امام مالک نے اپنی لڑکی کی شادی کے امداد کے سلسلہ میں امام لیث کو خط لکھا۔ انھوں نے کئی ہزار کی امداد عنایت فرمائی۔ امام شافعی رحمہ اللہ اگرچہ امام ابوحنیفہ کے مذہب پر تنقید فرماتے ہیں لیکن یہ بھی فرماتے ہیں کہ لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے دست نگر ہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ کی تعریف بھی امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ حالانکہ مناظرہ میں امام محمد رحمہ اللہ ان کے حریف تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے شاگرد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے فرمایا کہ جب کوئی حدیث تم کو معلوم ہوجایا کرے تو مجھ کو ضرور مطلع کر دیا کرو۔ ایسی صدہا مثالیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان فقہائے کرام اور ائمۂ اعلام میں بے تعصبی کے ساتھ باہمی اُنس ومحبت کا پاک جذبہ تھا اور وہ اس روش میں صحابۂ کرام اور اجلۂ تابعین کے پیرو تھے۔ لیکن اس کے بعد فقہا نے اپنے اپنے ائمہ کی غیر معمولی جانبداری کی اور امرائے وقت نے ان سے یہ مطالبہ کیا کہ ان کے سامنے مناظرے ہوں۔ اب باہمی تعصب و عناد پیدا ہوا اور ایک دوسرے کو خصم (دشمن) سے مخاطب کرنے لگا۔ مذہبی تعصبات نے جماعتوں کے مابین سختی کے ساتھ حد فاصل قائم کر دی اور بعض متاخرین نے آپس میں ایک دوسرے کے امام پر یہ الزام لگانا شروع کر دیا کہ انھوں نے صریح کتاب وسنت کی مخالفت کی ہے اور اس بنا پر یہ قاعدہ مقرر ہوا کہ ہر ہر مذہب کا قاضی یا مفتی علحدہ ہو۔ بلکہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ حرم محترم میں

امام فقیہہ و مجتہد تھے۔ آپ روایت سے زیادہ درایت کو پسند کرتے تھے۔ ۵۹۵ھ میں انتقال ہوا۔
۸۔ قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض اپنے وقت میں حدیث و تفسیر کے امام تھے۔ ابن رشد کے خاص استادوں میں ہیں۔ صحیح مسلم کی شرح اور شفا قاضی عیاض مشہور ہے۔ ۵۴۱ھ میں انتقال ہوا۔

اس دور کے کبار فقہائے شافعیہ

۱۔ ابواسحق ابراہیم بن احمد المروزی اپنے زمانہ میں فتویٰ کے امام تھے۔ مصر میں ۳۴۰ھ میں انتقال ہوا۔
۲۔ ابوحامد احمد بن محمد الاسفرائنی۔ بغداد میں دین و دنیا کی ریاست ان کو ملی۔ بڑے ممتاز فقیہہ تھے ۴۰۸ھ میں انتقال ہوا۔ ۳۔ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی۔ احکام السلطانیہ کے مصنف بڑے فقیہہ تھے۔ ۴۵۰ھ ہجری میں انتقال ہوا۔ ۴۔ ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ الجوینی المعروف بہ امام الحرمین۔ فقہ۔ اصول۔ حدیث کے امام تھے۔ ۴۷۸ھ ہجری میں انتقال ہوا۔ ۵۔ حجۃ الاسلام ابوحامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی رحمہ اللہ ۴۵۰ھ میں طوس میں پیدا ہوئے۔ بہت بڑے فقیہہ مجتہد تھے اصول فقہ میں مستصفیٰ ان کی مشہور کتاب ہے۔ ۵۰۵ھ میں انتقال ہوا۔ ۶۔ ابواسحاق ابراہیم بن منصور بن مسلم عراقی فقیہہ مصر بہت بڑے امام تھے۔ ۵۹۶ھ میں انتقال ہوا۔ ۸۔ امام الائمہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف بن مری النووی۔ بہت بڑے محقق فقیہہ امام مجتہد شارح مسلم ہیں۔ ۶۳۱ھ میں آپ پیدا ہوئے۔ آپ کی جلالت شان پر سب کا اتفاق ہے۔

اس دور میں مذہب اسمٰعیلی

اس دور میں مذہب اسمٰعیلی کا ظہور ہوا۔ یہ لوگ حضرت اسمٰعیل بن جعفر صادق علیہ السّلام کے معتقد ہیں۔ اور انھوں نے حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہ السّلام المعروف بہ امام کاظم کو چھوڑ دیا اب شیعہ کے تین فرقے ہوگئے زیدیہ۔ امامیہ اثناعشریہ۔ اسمٰعیلیہ۔ ان میں باہمی اختلاف ضرور رہے۔ لیکن اہل بیت اطہار کا شیرازہ ایک ہی سلسلہ میں جکڑے ہوئے ہے۔ معزّ لدین اللہ جب مصر آیا تو اس نے اسمٰعیلیہ فرقہ کے فقیہہ کو مصر کا قاضی القضاۃ بنایا۔ جامعۂ ازہر میں اسمٰعیلیہ فرقہ کے علماء درس دیتے تھے۔ اور ان کے داعی دعاۃ اور اعوان تبلیغ کرتے تھے۔ طلباء کو وظائف دیئے جاتے تھے۔ اس سعیٔ بلیغ کے بعد بھی

پیدا ہوئے اور ۴۷۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ۱۳- علی بن محمد البزدوی - آپ نے گیارہ جلدوں میں مبسوط لکھی۔ ۴۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۸۲ھ میں انتقال ہوا۔ ۱۴- شمس الائمۃ بکر بن محمد حفظ مذہب حنفیہ میں ضرب المثل تھے۔ ۴۲۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۱۲ھ میں انتقال ہوا۔ ۱۵- طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری - ماوراء النہر میں حنفیہ کے شیخ تھے۔ ۵۴۲ھ میں وفات ہوئی۔

۱۶- ابواسحق ابراہیم بن اسمٰعیل قاضی خاں کے استاد تھے۔ ۵۷۴ھ ہجری، بخارا میں وفات ہوئی۔

۱۷- ظہیر الدین عبدالرشید بن ابی حنیفہ ۵۴۰ھ ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔ ۱۸- ابوبکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الملقب بملک العلماء، ۵۸۷ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ۱۹- فخر الدین حسن بن منصور الاذرجندی الفرغانی المعروف بہ قاضی خاں، ۵۹۲ھ میں وفات ہوئی۔ ۲۰- علی بن ابی بن عبدالجلیل الفرغانی المرغینانی صاحب ہدایہ، ۵۹۳ھ میں وفات ہوئی۔

اس دور کے کبار فقہائے مالکیہ

۱- محمد بن یحییٰ بن لبابہ اندلسی - اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ حافظ اور احکام کے علل کے ماہر تھے۔ فتویٰ و فقہ میں ان کے اجتہادات حدود مذہب مالکیہ سے باہر ہیں۔ ۳۳۶ھ ہجری میں وفات ہوئی۔ ۲- محمد بن حارث بن اسد الخشنی - قیروان میں فقہ مالکیہ کی تعلیم حاصل کی۔ صاحب تصانیف ہیں۔ ۳۶۱ھ میں وفات ہوئی۔ ۳- ابوبکر محمد بن عبداللہ المعیطی الاندلسی - فقہ مالکیہ کے حافظ تھے۔ ۳۶۷ھ میں وفات ہوئی ۴- یوسف بن عمر بن عبدالبر - اندلس کے شیخ اور بہت بڑے محدث اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۴۸۰ھ میں وفات ہوئی۔ ۵- ابوبکر محمد بن عبداللہ الابہری - عراق میں امام مالک کے مذہب کے محافظ تھے۔ ساٹھ برس تک جامع منصور میں فتویٰ و درس دیتے رہے۔ ان کی وفات پر عراق میں امام مالک کا مذہب کمزور ہو گیا۔ ۳۹۵ھ میں بغداد میں انتقال ہوا۔ ۶- ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی - اندلس کے مشہور محدث فقیہہ و مجتہد تھے۔ علامہ ابن حزم سے ان کے مناظرے ہوتے تھے۔ ابن حزم کا قول ہے کہ مالکی مذہب میں ابوالولید باجی کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ۴۹۴ھ میں انتقال ہوا۔ ۷- ابوالولید محمد بن احمد بن رشد القرطبی - اندلس اور مغرب میں امام ابن رشد

شیخ تقی الدین سبکی اجتہاد کیوں نہیں کرتے تھے (حالانکہ وہ جامع العلوم تھے۔ تو شیخ اس کے جواب دینے سے خاموش رہے۔ میں نے کہا کہ میری سمجھ میں اس کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ وظائف ومناصب جو فقہائے اربعہ کے فقہا کو ملتے تھے، ان کا لحاظ تھا۔ چونکہ جو شخص ان مذاہب کے دائرے سے نکل کر اجتہاد کرتا تھا، اس کا منصب بند ہوجاتا تھا، وہ عہدۂ قضا سے محروم کردیا جاتا۔ لوگ اس سے فتویٰ نہ لیتے اور اس کو بدعتی مشہور کردیتے تھے۔ اس پر شیخ بلقینی مسکرائے اور مجھ سے اتفاق کیا۔ اس واقعہ کو بیان فرما کر حضرت شاہ صاحب نے بحد امکان تاویل فرمائی ہے۔ لیکن واقعہ پھر واقعہ ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے اس بحث کو حجۃ اللہ البالغہ اور ازالۃ الخفا میں وضاحت سے تحریر فرمایا ہے، فرماتے ہیں "دولت شام (اموی سلطنت) کے خاتمہ تک کوئی شخص خود کو حنفی یا شافعی نہ کہتا تھا بلکہ سب اپنے ائمہ اور اساتذہ کے طریقہ پر دلائل شرعی سے استنباط کرتے تھے۔ عباسی سلطنت کے زمانہ میں ہر ایک نے اپنا ایک نام معین کیا اور یہ کیفیت ہوگئی کہ جب تک اپنے مذہب کے بڑوں کی نص نہ پاتے قرآن وحدیث کی دلیل پر حکم نہ دیتے۔ اس طرح وہ اختلافات جو تاویل کتاب وسنت کے اقتضاء سے ناگزیر طور پر پیدا ہوئے تھے مضبوط بنیادوں پر جم گئے۔ پھر جب دولت عرب کا خاتمہ ہوگیا (یعنی ترکی اقتدار کا زمانہ آیا) اور لوگ مختلف ممالک میں منتشر ہوگئے تو ہر ایک نے جو کچھ اپنے مذہب فقہی سے پایا دیکھا تھا اُسی کو اصل بنالیا۔ پہلے جو چیز مذہب مستنبط تھی اب وہ سنت مستحضرہ بن گئی۔ اب ان کے علم کا مدار اس پر رہ گیا کہ تخریج پر تخریج کریں اور تفریع پر تفریع کریں۔"

خود ائمہ کرام جنھوں نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق فقہ کو مرتب ومدون کیا، ان کے تصور میں وہ صورت نہ تھی جو چوتھی صدی ہجری میں نمودار ہوگئی۔ حضرت شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں الیواقیت والجواہر کے حوالہ سے امام مالک کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"ہر شخص کے اقوال دو قسم کے ہوتے ہیں کچھ لے لینے کے قابل اور کچھ چھوڑ دینے کے قابل۔ صرف ایک ذات اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے۔ اور وہ حضور علیہ السلام کی ذات گرامی ہے۔"

امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک کے پیرو کار اسمٰعیلیہ پر حاوی رہے۔ آخر میں مستنصر باللہ کے وزیر ابو احمد بن الافضل نے ۵۰۵ھ میں چار قاضی مقرر کئے۔ ایک اسمٰعیلی، ایک امامیہ، ایک شافعی ایک مالکی ۵۴۷ھ میں ابوالمعالی محلی بن جمیع الشافعی صاحب الذخائر مصر کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے اور جب صلاح الدین عاضد کا وزیر ہوا تو دولت اسمٰعیلیہ کے مظاہرات ختم کر دیئے گئے۔ اور ۵۶۶ھ میں مذہب اسمٰعیلیہ کا مصر میں خاتمہ ہو گیا۔ اور وہاں اسمٰعیلیوں کی فقہ کا وجود بھی نہ رہا۔ پھر ظاہر بیبرس نے از سر نو قضاۃ کے عہد کو اس طرح قائم کیا۔

قاضی القضاۃ شافعی۔ ایک قاضی مالکی۔ ایک حنبلی اور ایک حنفی۔ اسمٰعیلی فرقہ نے پھر اپنے مذہب کی دعوت کو مخفی طریقہ سے پھیلانا شروع کر دیا۔

اس دور پر تبصرہ

اس دور میں تقلید کا سلسلہ شروع ہوا۔ مناظرات ہوئے اور مجتہدین سابقین کے پیروکاروں نے بڑی محنت اور کاوش سے اپنے اپنے مذہب کی اشاعت شروع کی۔ عام لوگوں کے دلوں میں یہ میلان پیدا ہوا کہ ان کا قاضی ایک مشہور مذہب کا آدمی ہو۔ اور جب کسی مذہب کی تقلید کسی بادشاہ یا سلطان نے کر لی تو اس نے اسی مذہب کے لئے عہدۂ قضا کو محدود کر دیا۔ سلاطین مذہبی معلومات سے بے نیاز رہنے لگے۔ یہی سبب بعض مذاہب کی شہرت و مقبولیت عام کا سبب بن گیا۔ اپنے اپنے مذہب والوں کے لئے حکومت نے وظائف و مناصب مقرر کئے۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ بلاد مشرق میں محمد بن سبکتگین اور نظام الملک اور مصر میں صلاح الدین یوسف بن ایوب نے شافعی مذہب کی تائید کی۔ اسی مذہب کے قاضی القضاۃ مقرر کئے۔ ان کو مناصب عطا ہوئے اور حنفی مذہب کی تائید ترکی عنصر نے کی، جو بلخ، بخارا، روسی ترکستان سے ہوتا ہوا کابل و ہندوستان تک پہنچا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے انصاف فی بیان اسباب الاختلاف میں امام بلقینی کے شاگرد امام ابوزرعہ کا قول بیان فرمایا ہے کہ میں نے ایک بار اپنے شیخ امام بلقینی سے کہا کہ

کی تمہید ہے۔ لیکن اصل محرک امراء و وزراء کی خوشنودی و تقرب سلاطین تھا۔ چنانچہ امام غزالی رحمہ اللہ نے جو پہلے اس زمرہ میں شریک تھے اس کو واضح فرمایا ہے۔ انھوں نے ان دلفریب مناظرہ اور جھوٹی شہرت کو چھوڑ کر خدا کی طرف رجوع کیا اور ان مناظرات کی علت کا پردہ فاش کیا۔ امام غزالی رحمہ اللہ سے پہلے علامہ امام حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ان باتوں کو نمایاں کیا۔ آپ جامع بیان العلم میں فرماتے ہیں :

"وجوب یا جواز تقلید کے قائل سے سوال یہ ہے کہ اس نے کسی دلیل سے اس کو جائز یا واجب سمجھا اور کس طرح اسلاف کے خلاف طریقہ اختیار کیا۔ چونکہ سلف صالح سے یہ ثابت ہی نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں کتاب وسنت سے واقف نہیں اور میرا امام ان سے واقف ہے۔ اس لئے میں ان کی تقلید کرتا ہوں، تو یہ سوال ہے کہ جو مسائل شرعیہ تمام ائمہ ومجتہدین کے مابین متفق علیہ ہیں وہ تو درست ہیں اور ان میں تقلید کی جاسکتی ہے۔ لیکن جن مسائل میں اختلاف ہے اور ہر ایک کی رائے اور دلیل علیحدہ علیحدہ ہے، ایسے مسائل میں تم کس وثوق پر ایک شخص کی رائے پر عمل کروگے۔ چونکہ اختلاف کرنے والے سبھی ائمہ اور مجتہد ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ وہ مجتہد جس کی رائے کو تم ناقابل عمل سمجھ رہے ہو، تمھارے امام سے زیادہ صحیح مسلک رکھتا ہو۔ اس لمبی بحث کے بعد فرماتے ہیں کہ امام مالک نے فرمایا ہے کہ آدمی کا ہر قول خواہ وہ کیسا ہی صاحب علم ہو اتباع کے لئے نہیں ہے۔ تقلید واتباع صرف حضور علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔"

امام غزالی رحمہ اللہ نے کسی سے پوچھا آپ کس کی تقلید کرتے ہیں۔ فرمایا: معقولات میں عقل کا تابع ہوں اور منقولات میں قرآن کا اور ائمہ میں سے کسی کا مقلد نہیں ہوں۔ آپ التفرقۃ بین الاسلام والزندقہ میں فرماتے ہیں

"جو شخص کسی ایک ہی محقق کی رائے کو حق پر منحصر کرتا ہے وہ کفر اور تناقض کے قریب

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص میری دلیل سے واقف نہ ہو اُسے میرے قول پر فتویٰ دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ آپ جب فتویٰ دیتے تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ یہ نعمان بن ثابت کی رائے ہے، جسے ہم نے اپنے عقل وفہم میں بہتر سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ اگر کوئی اس سے بہتر رائے پیش کرے تو پھر ہماری رائے کے مقابلہ میں اس کی رائے صائب اور حق سے زیادہ قریب ہوگی۔

امام شافعی رحمہ اللہ اکثر فرمایا کرتے تھے: اپنے دین میں ہشیار رہو۔ تقلید محض پر قانع نہ ہو، اس لئے کہ وہ بصیرت کو اندھا کر دیتی ہے۔ بیہقی میں ہے امام شافعی نے فرمایا جب کوئی حدیث پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو اسی کو میرا مذہب سمجھو۔

ایک دن امام شافعی نے امام مزنی سے فرمایا: ابراہیم میری ہر بات کی کورانہ تقلید نہ کیا کرو، بلکہ بذات خود اس میں غور کر لیا کرو۔ چونکہ یہ دین کا معاملہ ہے۔

امام احمد بن حنبل کا ارشاد ہے: اللہ اور اُس کے رسول کے مقابلہ میں کسی کی رائے کو کوئی وقعت حاصل نہیں ہے۔ تم نہ میری تقلید کرو اور نہ کسی اور امام کی۔ جس طرح اُنھوں نے کتاب و سنّت سے دین کی معرفت حاصل کی تھی تم بھی کرو۔

ان تمام ارشادات کے ہوتے ہوئے بھی فقہا میں باہم مناظرات کی گرم بازاری ہوئی اور امراء نے اس طریقہ سے خاص طور پر دلچسپی لینا شروع کیا۔ مناظروں کی مجلسیں وزراء اور امراء کے سامنے منعقد ہوتی تھیں اور مجلس عزا میں دلچسپی کے لئے یا غم غلط کرنے کے لئے باہمی مباحثے ہوتے تھے۔ امراء نے جہاد اور علماء نے اجتہاد چھوڑ کر اس شغلہ کو اختیار کیا۔ چنانچہ طبقات الشافعیہ تذکرۂ ابواسحٰق شیرازی سے یہ مستنبط ہوتا ہے۔ زیادہ تر میلان یہ بڑھا کہ امام شافعی و امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے مذاہب کو زیر بحث رکھا جائے۔ اس کی بدولت اس قدر تعصبات فاحشہ اور کھلی ہوئی عداوتیں پیدا ہوگئیں کہ ان کی وجہ سے خونریزی تک نوبت پہنچی۔ ان لوگوں کا نفس اگرچہ ان کو یہ دھوکا دیتا رہا کہ ان مناظرات کا مقصد دقائق شریعت کا استنباط۔ علل مذاہب کا اثبات اور اصول فتاویٰ

"میں نے اکثر لوگوں کو پایا جو یہ خیال کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے اختلاف کی بنیاد انھیں اصولوں پر ہے جو کتاب بزدوی وغیرہ میں مسطور ہے لیکن حق یہ ہے کہ اکثر یہ اصول ان کے اقوال سے نکالے گئے ہیں اور میرے نزدیک یہ مسئلہ کہ خاص ظاہر ہوتا ہے اس کو بیان کی ضرورت نہیں ہوتی اور زیادت نسخ ہے اور عام خاص کی طرح قطعی ہے اور کثرت رواۃ سے ترجیح نہیں ہوتی اور غیر فقیہہ راوی (صحابی) کی حدیث پر عمل واجب نہیں۔ اس سے رائے کا دروازہ بند ہو جائیگا اور مفہوم شرط اور مفہوم وصف کا بالکل اعتبار نہیں ہے۔ اور امر کا موجب صرف وجوب ہے اور اس قسم کے اور مسائل ائمہ کے کلام سے نکالے گئے ہیں لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے صاحبین سے ثابت نہیں ہیں۔"

متاخرین فقہا نے اپنے ائمہ کے کلام کی سند کے لئے ایسی روایتیں بھی نقل کر دی ہیں جن کا ثبوت فن حدیث کے لحاظ سے دشوار ہے اور خود ائمہ کرام کے اقوال کی بھی سند صحیح کا پتہ چلنا دشوار ہے علامہ مرجانی حنفی نے ناظورۃ الحق میں فرمایا ہے:

وَ قول الفقہاء یحتمل الخطاء فی اصلہ وغالبہ خالٍ عن الاسناد ورفعہ بطریق مقبول معتمد علیہ۔ وکل احتمال ذکر فی الحدیث قائم فیہ فانہ یحتمل ان یکون موضوعاً، قد افتری علیہ غیرہ۔

(ترجمہ) فقہا کا قول اپنے اصل میں خطا کا محتمل ہے اور اکثر اسناد سے خالی ہیں جو صاحب مذہب تک معتبر سند کے ساتھ نہیں پہنچتے۔ اور جس قدر احتمال (سند کے) حدیث میں ذکر کئے گئے ہیں وہ کل قول فقہا میں بھی قائم ہیں۔ احتمال ہے کہ وہ موضوع ہوں اور صاحب مذہب کی طرف کسی نے غلط نسبت کر دی ہو۔

کلمات طیبات میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"علم حدیث جامع تفسیر وفقہ و دقائق سلوک است از برکات ایں علم نور ایمان می افزاید و توفیق عمل نیک و اخلاق حسن پیدا می شود۔ عجب ست کہ حدیث صحیح غیر منسوخ کہ محدثین

ہوتا ہے۔ کفر کے قریب تو اس لئے کہ اس نے اس محقق کو ایسا ہی معصوم کا درجہ دیدیا جس کی اتباع پر اسلام کا انحصار ہے اور جس کی مخالفت پر کفر لازم آتا ہے، اور تناقض کے قریب اس لئے کہ ہر محقق پر تحقیق لازم ہے اور تقلید حرام ہے۔ پھر کیونکر تحقیق و تقلید ساتھ ہو سکتی ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ کوئی کہے کہ تم پر دیکھنا لازم ہے مگر جو بتایا گیا ہے اُس کے سوا کچھ نہ دیکھو اور اسی کو تحقیق سمجھو۔ آپ فرماتے ہیں مقلّد کو سمجھانا ایسا ہے جیسے ٹھنڈے لوہے کو کوٹنا "

آپ نظام تقلیدی سے سخت متنفر تھے اور آپ کی کوشش ایسے انقلاب کی تھی جو حکومت میں انقلاب پیدا کرتے ہوئے اجتہادی دور کا آغاز کر دے۔ چنانچہ محمد بن عبداللہ جب اسپین سے آپ کے پاس تعلیم حاصل کرنے آئے تو آپ کے فیضان صحبت نے ان میں عظیم انقلاب پیدا کر دیا۔ حضرت امام نے ان کی مزید ہمت افزائی فرمائی۔ محمد بن عبداللہ مصر گئے مگر وہاں کے لوگوں نے ان کو شہر بدر کر دیا۔ جہاں سے وہ اسکندریہ پہنچے۔ پھر ۵۰۵ھ ہجری میں مہدیہ پہونچے پھر مراکش آئے۔ اور یہاں آکر سلطنت "موحدین" کو قائم کیا۔

محمد بن عبداللہ نے عبدالمومن کو تخت نشین کیا۔ علامہ ابن خلدون نے اس حکومت کی بڑی تعریف کی ہے۔ یعقوب نے جو اس خاندان کا تیسرا جانشین تھا، تمام علماء وفقہا کو حکم دیا تھا کہ مسائل فقہیہ میں کسی کی تقلید نہ کریں بلکہ قرآن کریم۔ حدیث اور اپنی رائے یا اجماع سلف سے استنباط کریں چنانچہ اس زمانہ میں ابوالخطاب اور شیخ محی الدین اکبر کسی کی تقلید نہ کرتے تھے۔ یہ حکومت امام غزالی کے خیالات وعقائد کی بنیادوں پر قائم ہوئی تھی۔ اور اسی بناء پر امام غزالی کو پانچویں صدی کا مجدد متفقہ طور سے تسلیم کیا گیا۔ لیکن حضرت امام کی یہ تحریک عرب کے مشہور خطّوں سے متجاوز نہ ہوئی۔ اور عجم کے دوسرے شہروں میں فقہا نے باہمی جنگ وجدل کو قائم رکھا اور اس قدر تفریعات وفرضی مسائل کے جوابات کو مرتب کیا جس کا تصور بھی ائمہ سابقین کو نہ تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ (انصاف)

یہ رائے ہے کہ یہ لوگ اس کے ثبوت سے عاجز ہیں۔ اور جو قیاس صاف طور پر نہیں ہیں جن سے حنفیہ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں اکثر ان کی سندیں امام ابوحنیفہ تک نہیں پہونچتیں۔

نافع کبیر مقدمہ جامع صغیر صفحہ ۱۳ پر مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی فرماتے ہیں

فکم من کتاب معتمد اعتمد علیہ اجلۃ الفقہاء مملوۃ من الاحادیث الموضوعہ ولا سیما الفتاویٰ فقد وضح لنا بتوسیع النظر ان اصحابھم وان کانوا من الکاملین لکنھم فی نقل الاخبار من المتساھلیں۔

کتنی ہی مستند کتابیں جن پر بڑے بڑے فقہا نے اعتماد کیا ہے موضوع حدیثوں سے بھری ہوئی ہیں خاصکر کتب فتاویٰ۔ تلاش و تحقیق سے ہم کو معلوم ہوا کہ ان کتابوں کے مصنف اگرچہ اپنے فن میں کامل تھے لیکن حدیث کی روایتوں میں غفلت کرتے تھے۔

اجوبہ فاضلہ میں مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی فرماتے ہیں:

من ھٰھنا نصّوا علیٰ انہٗ لا عبرۃ للاحادیث المنقولۃ فی الکتب المبسوط مالم یظھر سندھا او یعلم اعتماد ارباب الحدیث علیھا وان کان مصنفھا جلیلاً یعتمد علیہ فی نقل الاحکام وحکم الحرام والحلال الا تری صاحب الھدایہ من اجلۃ الحنفیۃ والرافعی شارح الوجیز من اجلۃ الشافعیۃ مع کونھما ممن یشار الیھما بالانامل و یعتمد علیہ الاماجد والاماثل قد ذکرا فی تصانیفھما مالم یوجد لہ اثر عند خبیر بالحدیث۔

اسی وجہ سے علما نے صاف کہدیا کہ وہ حدیثیں جو فقہ کی کتابوں میں منقول ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے جبتک کہ ان کی سند ظاہر نہ ہو جائے یا ائمۂ حدیث کا ان پر اعتماد نہ معلوم ہو جائے، اگرچہ فقہ کی ان کتابوں کے مصنف کتنے ہی بلند پایہ فقیہہ کیوں نہ ہوں جن پر نقل احکام و حکم حلال و حرام میں اعتماد کیا جاتا ہے کیا تم صاحب ہدایہ کو نہیں دیکھتے کہ جو معتقد رعلمائے احناف سے ہیں اور رافعی شارح وجیز جو معتقد رعلمائے شافعیہ سے ہیں باوجودیکہ یہ دونوں ایسے بزرگ ہیں جن کی عظمت و شہرت کے اشارے کئے جاتے ہیں اور ان پر اکابر علمار اعتماد کرتے ہیں۔ پھر بھی یہ دونوں اپنی کتابوں میں ایسی روایتیں نقل کرتے ہیں جن کا پتہ فن حدیث کے جاننے والوں کو نہیں چلتا۔

بیان آں نمودہ اند واحوال رواۃ آں معلوم ست وبچند واسطہ می رسد بہ نبی معصوم علیہ السلام کہ خطارا براں راہ نیست بعمل نمی آرند وروایت فقیہہ کہ ناقلان آں قضاۃ ومفتیان اند واحوال ضبط وعدل آنہا معلوم نیست عمل کنند"

دراسات اللبیب مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۵۶ میں ملا معین حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولیس کل ینسب الیہم من القیاسات البعیدۃ التی تشبہ التشریع الجدید وینقل فی کتب مذہبہم فہو ثابت النسبۃ الیہم بل اکثر ذلک او کلہ مما ارتکبہ من غلب علیہ الرای من اتباعہم غیر انہم لما راوا لحکم المستنبط بمثل ہذا القیاس موافقاً لاصل من اصول امامہم زعموا نسبتہ ہذا القیاس الیہ فربما یقولون لابی حنیفۃ مثلاً کذا وہو ادون القولین فیہا وربما یتجا سرون فیقولون قال ابوحنیفۃ کذا ومن ادعٰی ان ہذا القیاس بعینہ مروی عن ابی حنیفۃ۔ مثلاً فلیصحح السند بکل مایشترط فی صحتہ ولا احسبہم عن ذلک الا عاجزین۔

اور صفحہ ۲۹۱ پر فرماتے ہیں:

ان الاقیسۃ الغیر الجلیلۃ التی فی کتب الحنفیہ مشحونۃ بہا غالبہا لا یستند الی ابی حنیفۃ

(ترجمہ) یہ نہیں ہے کہ ہر ایک مسئلہ جو بعید از قیاس ہے اور جو ایک نئی شریعت سے مشابہ ہے اور جو کتب مذہب میں منقول ہیں اپنے ائمہ سے منسوب کیجائیں۔ بلکہ یہ ان فقیہوں کی آراء ہیں جن پر قیاس غالب تھا۔ وہ اسی مذہب کے تھے۔ لیکن انھوں نے جب غور کیا، یہ حکم اپنے امام کے اصول کے مطابق نکالا گیا ہے اس لئے یہ بھی اسی قاعدہ کے مطابق ہے۔ اس بناء پر ان قیاسات کی نسبت ان کی طرف کردی۔ کبھی کہدیا کہ امام ابوحنیفہ کی بھی ایسی ہی رائے ہے۔ یہ بہت کم درجہ کی بات ہے۔ اور کبھی دلیری سے یہ کہدیتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ جو شخص اس بات کا دعویٰ کرے کہ یہ قیاسات بجنسہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہیں۔ پس ایسے شخص کو اس کی صحت کی سند پیش کرنی چاہئے۔ وہ بھی انھیں قواعد کے ماتحت جو صحت سند کے لئے ضروری ہیں اور میری

کہ تحقیق و تدقیق سے ہٹ کر اختلافی مسائل فقہیہ کے معرکۂ زار میں اتر آئے اور حنفیت و شافعیت کے اکھاڑوں میں نبرد آزمائی کرنے لگے۔ چونکہ خداوندان جاہ و ثروت کی توجہ حاصل کرنے کا یہی محبوب نسخہ تھا۔ اس پر ستم یہ کہ وہ اپنے اس قیل وقال کو علم دین کی بڑی خدمت سمجھتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ وہ اسرار و دقائق کا استنباط کر رہے ہیں اور علل و مصالح کے ساتھ اصول فتاویٰ کا طریقہ جاری کر رہے ہیں۔ اس خیال کے تحت اُنھوں نے تصنیفات اور استنباطات کا ڈھیر لگا دیا۔ اور بحث وجدال کے گوناگوں طریقے ایجاد کر ڈالے۔ افسوس کہ اب تک وہ اس روش پر چلے جا رہے ہیں، نہیں معلوم مستقبل انھیں کس راہ پر چلائیگا"۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے اس دور پر جو جامع تبصرہ فرمادیا اس کے بعد کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ اس دور کے قیاسات و تفریعات کے بیشتر مسائل فقہی ترتیب کے لحاظ سے چھٹے دور کے سلسلہ میں پیش کئے جائیں گے جن کے مطالعہ سے حیرت ہوگی اور یہ یقین ہو جائیگا کہ ائمہ کرام کا دامن زہد واتقاان باتوں سے بالکل پاک و منزہ تھا۔

فقہ بزمانہ تقلیدِ محض جو آج تک قائم ہے

آٹھویں صدی کی ابتداء میں ایشیائے کوچک میں ایک بلند ہمت بہادر عثمان نمایاں ہوا۔ اس نے آل سلجوق کے کھنڈر پر جو ہمیشہ ایشیائے وسطیٰ میں رہتے تھے ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ نویں صدی کے نصف حصہ میں قسطنطنیہ فتح ہوا جو ان کا دار السلطنت ہوا۔ اس کے بعد انھوں نے آہستہ آہستہ اسلامی ملکوں کو فتح کیا۔ مصری سلطنت جو مرکز تھی وہاں سے خلافت منتقل ہوکر قسطنطنیہ میں آگئی اور مصر عثمانی سلطنت کا ایک ملک ہوکر اپنی سیاسی اور علمی حیثیت سے گر گیا۔ اسی دوران میں اندلس میں اسلام کا چراغ جو آٹھ صدی تک اپنے علمی وقار سے روشن رہا تھا، بجھ گیا، اور پھر جغرافیائی حیثیت سے مذاہب نے گھر کرلیا۔

یہ تو متاخرین کی رائے ہے لیکن اُسی دور کے فاضل اجل مجدد عصر امام غزالی رحمہ اللہ کی رائے بھی قابل ملاحظہ ہے :

"خلفاء راشدین کا مبارک دور جب ختم ہؤا تو زمام خلافت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئی جو اس امانت کے اُٹھانے کی مطلقًا صلاحیت نہ رکھتے تھے اور احکام شریعت سے قریب قریب نابلد تھے۔ اس لئے وہ فیصلۂ مقدمات اور اجرائے قضائے شرعی کے لئے مجبور ہوئے کہ علمائے دین سے رجوع کریں۔ اگرچہ خیر القرون ختم ہو چکا تھا پھر بھی حق پرست اور بصیرت رکھنے والے علماء سے دنیا خالی تو نہ تھی۔ خلفاء کو تلاش تھی مگر علماء کا حق پرست طبقہ اُمراء سے بے نیاز رہتا تھا حکومت ان کو جتنا کھینچتی تھی وہ حکومت سے اتنا ہی کھنچتے تھے۔ جاہ پسند لوگوں نے دیکھا کہ ایسے پاکباز نفوس اس اعراض اور استغناء کے باوجود مرجع خلائق ہیں اور بادشاہ وقت بھی ان سے مرعوب تھے۔ تو ان کے دلوں میں ایسے ذریعۂ حصول عزت کا خیال پیدا ہؤا اور وہ حصول علم دین کا جذبہ ہے تاکہ اسے بازار میں لا کر شرف و عزت کا سودا کریں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علم دین کا ایوانِ عظمت جاہ پرستی کے سیلاب میں غرق ہو کر رہ گیا۔ اب علماء و فقہاء ڈھونڈے نہ جاتے تھے بلکہ وہ خود اپنے ڈھونڈھنے والوں کو ڈھونڈھتے پھرتے تھے۔ جو کچھ ان کی عزت تھی سلاطین سے بے نیازی کی بدولت تھی۔ جب اُنھوں نے خود سلاطین کی بارگاہ کی جبہہ سائی و قصیدہ خوانی شروع کی تو عزت ذلت سے بدل گئی۔ اس سے قبل جدلیات کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ علم کلام پر بعض کتابیں لکھی جا چکی تھیں۔ بحث و مناظرہ کے اصول و فروع بھی قائم ہو چکے تھے۔ ایسے فقہا کے لئے یہ چیزیں خاص توجہ اور دلچسپی کا باعث بن گئی تھیں۔ چونکہ امیروں کے درباروں میں باریابی اور تقرب کا یہی ذریعہ تھا۔ بعض خلفاء فقہی مناظروں کے بڑے دلدادہ تھے۔ حنفی اور شافعی مباحثوں سے خصوصیت کے ساتھ دلچسپی لی جاتی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہؤا

لکھی گئی ہیں ان سے محروم رہیں۔ اگر خوش قسمتی سے کسی مطبع نے ان کو طبع کردیا تو جو نقوش تقلید ہمارے دلوں پر ثبت ہو چکے ہیں وہ ان کے مطالعہ کی اجازت نہیں دیتے۔

ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ جب حدود تقلید پر آکر ٹھہر گئے تو اس سے آگے بڑھنے کی گنجائش نہیں اور ایک فقیہہ کتنا ہی عالی مرتبہ دقیق النظر محقق ہو جائے لیکن اس کے امکان میں نہیں کہ اپنے امام کی مخالفت کرے۔ نہ وہ دو قولوں میں سے کسی کو ترجیح دے سکتا، چونکہ ترجیح کا زمانہ ختم ہوگیا۔ اس لئے دلائل سے واقف ہونے اور دیگر ائمہ کی آراء سے واقفیت حاصل کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ گویا نبوت کی طرح اجتہاد کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ تحقیق کا دروازہ اور ترجیح کا راستہ قیامت تک کے لئے بند کر دیا گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے ان سب باتوں کو اور اپنے دور کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بڑی وضاحت سے اس کو صاف فرمایا ہے۔ تفہیمات الہیہ میں فرماتے ہیں:

"یہ وصی (خود شاہ صاحب) ایسے زمانہ میں پیدا ہوا ہے جبکہ لوگوں میں تین چیزیں خلط ملط ہوگئی ہیں۔

۱۔ دلیل بازی اور یہ یونانی علوم کے اختلاط کی بدولت ہے۔ لوگ علم کلام کے مباحث میں گرفتار ہوگئے۔ یہاں تک کہ عقائد میں کوئی گفتگو ایسی نہیں ہوتی، جو استدلالی مناظرات سے خالی ہو۔

۲۔ وجدان پرستی۔ اور یہ صوفیوں کی مقبولیت اور ان کی حلقہ بگوشی کی وجہ سے ہے جس نے مشرق سے مغرب تک لوگوں کو گھیر رکھا۔ یہاں تک کہ ان حضرات کے اقوال و افعال لوگوں کے دلوں پر کتاب و سنت سے زیادہ اثر انداز ہوگئے ہیں۔ ان کے رموز و اشارات اس قدر دخیل کار ہوگئے ہیں کہ جو شخص ان کا انکار کرلے وہ نہ مقبول ہوتا ہے نہ صالحین کی صف میں شمار کیا جاتا ہے۔ منبروں پر ایسا کوئی واعظ نہیں

قسطنطنیہ میں حنفی مذہب رائج تھا اور افغانستان ۔ بلخ و بخارا اور ما وراء النہر اور ہندوستان میں بھی بالعموم حنفی مذہب جاری ہوا اور مصر و حجاز میں بیشتر شافعی مذہب قائم رہا ۔ اسی طرح جاوا سماٹرا ملایا ۔ بورنیو میں اور ہندوستان کے حصّہ مدراس میں شافعی مذہب بکثرت پھیلا ۔ یمن کے نواح میں حنبلی مذہب اور شیعہ زیدیہ رہے اور الجزائر ۔ ٹیونس وغیرہ میں مالکی مذہب محدود رہا ۔

اس دور کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ علماء کے نصوص میں تقلیدِ محض کی روح جاگزیں ہوگئی ۔ اس دور کے لگ بھگ بڑے بڑے اکابر علماء پیدا ہوئے ۔ مثلاً عز الدین بن عبد السّلام ابن دقیق العید ۔ علّامۂ ابن تیمیہ ۔ تاج الدین سبکی ۔ علّامۂ ابن قیم ۔ بلقینی محقق کمال ابن الہام ۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ۔ حافظ جلال الدین محلی ۔ حافظ جلال الدین سیوطی ۔ یہ حضرات مذاہب اربعہ کے بہترین امام تھے ۔ ان کے بعد پھر قناعت علی الفقہ کا غلبہ ہوگیا اور ہر عالم صرف اپنے مذہب کی کتابوں پر اکتفا کرنے لگا ۔

گذشتہ دور میں فقیہہ کا لقب اور کامل احترام و اعتماد کا درجہ اس وقت حاصل ہوتا تھا ۔ جب کوئی عالم اپنے شہر کے علماء کے علاوہ سفر کرکے اور شہروں کے علما سے استفادہ کرتا ، کبار ائمہ و محدّثین کے حالات پر جب نظر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے ہمیشہ سفر کر کر کے جگہہ جگہہ سے استفادہ کیا ۔ زمانہ حج میں ان لوگوں کا اجتماع مکۂ مکرمہ میں ہوتا تھا اور ہر ایک کے پاس علمِ حدیث اور فکر کا جو سرمایہ ہوتا تھا اس سے دوسرا فائدہ اٹھاتا تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ ایک زمانہ کے علماء میں کامل تعارف ہوتا تھا ۔ لیکن اس دور کے آخری حصّے میں مختلف شہروں کے علماء کے تعلقات منقطع ہوگئے ۔ سب سے زیادہ دردانگیز و افسوس ناک واقعہ یہ ہے کہ زمانۂ حج میں مختلف ملکوں کے اکثر علماء آتے رہتے ہیں ۔ لیکن ان میں یہ جذبہ ہی نہیں رہا کہ ایک دوسرے سے تعارف پیدا کریں بلکہ اجنبیت کے ساتھ رہتے ہیں ، حج کیا اور واپس ہوئے ۔ اس لئے ہمارے سامنے کوئی راستہ نہ رہا ۔ بجز اس کے کہ ہر جگہ درسی کتابوں سے یا ان کتابوں سے جو زمانۂ تاخر و زوال میں لکھی گئی ہیں ان سے استفادہ کیا جائے اور وہ تمام کتابیں جو دورِ رفعت اسلامیہ یعنی چوتھی اور پانچویں صدی میں

میں ان طالبان علم سے کہتا ہوں جو اپنے آپ کو علماء کہتے ہیں کہ بے وقوفو تم یونانیوں کے علوم اور صرف ونحو ومعانی میں پھنس گئے اور سمجھے کہ علم اسی کا نام ہے۔ حالانکہ علم تو کتاب اللہ کی آیات محکمہ ہیں یا پھر وہ سنّت ہے جو رسول سے ثابت ہو۔ تم پچھلے فقہا کے استحسانات اور تفریعات میں غرق ہو گئے۔ کیا تمھیں خبر نہیں کہ حکم صرف وہ ہے جو اللہ اور اُس کے رسول نے فرمایا ہو۔ تم میں سے اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب کسی کو نبی کی کوئی حدیث پہنچتی ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میرا عمل تو فلاں کے مذہب پر ہے نہ کہ حدیث پر۔ پھر وہ یہ حیلہ پیش کرتا ہے کہ حضرت..... حدیث کا فہم اور اس کے مطابق فیصلہ تو کاملین و ماہرین کا کام ہے اور یہ حدیث ائمہ سلف سے تو چھپی نہ ہو گی۔ پھر کوئی وجہ ضرور ہو گی جو انھوں نے اس حدیث کو ترک کیا۔ سمجھ لو۔ یہ ہرگز دین کا طریقہ نہیں ہے۔ اگر تم اپنے نبی پر ایمان لائے ہو تو اس کا اتباع کرو خواہ کسی مذہب کے مخالف ہو یا موافق۔

مَیں ان متقشف واعظوں۔ عابدوں اور خانقاہ نشینوں سے کہتا ہوں کہ اے زہد کے مدعیو تم ہر وادی میں بھٹک نکلے اور ہر رطب و یابس کو لے بیٹھے۔ تم نے لوگوں کو موضوعات اور اباطیل کی جانب بلایا۔ تم نے اللہ کی مخلوق پر زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا۔ حالانکہ تم فراخی کے لئے مامور تھے نہ کہ تنگی کے لئے۔ تم نے مغلوب الحال عشاق کی باتوں کو اپنا مدارعلیہ قرار دیا۔ حالانکہ یہ چیزیں پھیلانے کی نہیں لپیٹ کر رکھنے کی ہیں۔

مَیں اُمراء سے کہتا ہوں کہ تمھیں خدا کا خوف نہیں آتا تم فانی لذّتوں کی طلب میں مستغرق ہو گئے اور رعیّت کو چھوڑ دیا کہ ایک دوسرے کو کھا جائے۔ علانیہ شرابیں پی جا رہی ہیں اور تم نہیں روکتے۔ زناکاری۔ شراب خواری اور قمار بازی کے اڈے بر سرعام بن گئے اور تم انسداد نہیں کرتے۔ اس عظیم الشان ملک میں مدّت دراز سے حد شرعی نہ رہی، جسے تم ضعیف پاتے ہو اسے کھا جاتے ہو اور جسے قوی پاتے ہو چھوڑ دیتے ہو

جس کی تقریر اشارات صوفیہ سے پاک ہو۔ اور مسند درس پر ایسا عالم نہیں جو ان کے کلام میں اعتقاد اور غور کا اظہار نہ کرے، ورنہ اس کا شمار گدھوں میں ہونے لگتا ہے پھر امراء اور رئیسوں کی کوئی مجلس ایسی نہیں جہاں لطف محفل۔ بذلہ سنجی اور تفنن کے لئے صوفیہ کے اشعار اور نکات کھلونا نہ بنے ہوئے ہوں۔

۳۔ طاعت، اور یہ اس بنا پر ہے کہ لوگ ملت اسلامیہ میں داخل ہیں۔ پھر اس زمانہ کی ایک بیماری یہ ہے کہ ہر ایک اپنی رائے پر چلتا ہے اور اندھا دھند چلا جا رہا ہے نہ تشابہات پر جا کر رُکتا ہے، نہ ایسے امر میں دخل دینے سے باز رہتا ہے جو اس کے علم سے بالاتر ہو۔ احکام کے معانی اور اسرار پر ہر ایک اپنی عقل سے کام کر رہا ہے اور جو کچھ سمجھ لیا اس پر مباحثہ و مناظرہ ہو رہا ہے۔ دوسری بیماری یہ ہے کہ فقہ میں حنفی شافعی وغیرہ کے سخت اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ہر ایک اپنے طریقہ میں تعصب برتتا ہے اور دوسروں پر معترض ہے۔ ہر مذہب میں تخریجات کی کثرت ہے اور حق اس غبار میں چھپ گیا۔

پھر فرماتے ہیں:

مَیں ان پیرزادوں سے جو بلا استحقاق اپنے باپ دادا کی جگہ مسند نشین ہیں کہتا ہوں کہ یہ کیا جتھے بندی تم نے مچا رکھی ہے۔ کیوں تم نے اپنے طریقے بنائے اور کیوں اس طریقہ کو چھوڑا جو خدا نے حضور علیہ السّلام پر نازل فرمایا تھا۔ تم میں سے ہر ایک امام بن بیٹھا جو اپنی طرف لوگوں کو بلا رہا ہے اور خود کو ہادی و مہدی کہتا ہے۔ حالانکہ وہ ضال اور مضل ہے۔ ہم ایسے لوگوں سے خوش نہیں ہیں جو دنیا کے فوائد کے لحاظ سے لوگوں سے بیعت لیتے ہیں یا اس کے لئے علم حاصل کرتے ہیں کہ اغراض دنیا حاصل کریں۔ یا لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں اور اپنے خواہشات نفس کی ان سے اطاعت کراتے ہیں یہ سب رہزن۔ دجال اور کذاب ہیں خود بھی دھوکے میں ہیں اور دوسروں کو بھی دھوکہ دیتے ہیں۔

نکل پڑی ہے اور کچھ نہیں جانتے کہ کدھر جا رہے ہیں۔ ان کا کاروبار دوسرا ہے
یہ بیچارے ان امور کی سمجھ بوجھ کے لئے مکلف نہیں ہیں۔

تقلید و اجتہاد

یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ جماعت انسانی تین طرح کی ہوتی ہے۔ ایک جاہل طبقہ۔ دوسرے کچھ پڑھا لکھا۔ تیسرا مذہبی علوم کا سند یافتہ تیسرا طبقہ بہت کم ہوتا ہے، ورنہ اکثریت پہلے دو طبقوں کی ہے۔ اس لئے کیا تقلید تینوں طبقوں کے لئے ہے یا پہلے دو طبقوں کے لئے یا کسی کے لئے بھی نہیں ہے۔ اس لئے پہلے تقلید کی تعریف جو متاخرین و متقدمین علماء کے نزدیک معین ہی سمجھنی چاہیئے۔ مسلم الثبوت جو اصول فقہ کی بلند پایہ تصنیف ہے اس میں ہے۔

التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجۃ (صفحہ ۲۸۹) بغیر دلیل کے کسی کے قول پر عمل کرنا تقلید ہے۔

مختصر ابن حاجب مع شرح جلد ۲ صفحہ ۳۰۵ میں ہے۔

اس تعریف میں ایک اشکال یہ پیدا ہوا کہ من غیر دلیل چونکہ العمل کے ساتھ ہے۔ حالانکہ مقلد جب اپنے امام کی پیروی کرتا ہے تو بقول فقہا فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ آیت مبارک میں جو حکم ہے اسی بناء پر کرتا ہے چونکہ امام مجتہد کی بات ماننے کا حکم ہے۔ اس اشکال کو خود بھی علماء اصول نے محسوس کیا۔ اس لئے مختصر الاصول ابن حاجب اور مسلم الثبوت میں پھر یہ فرمایا گیا۔

ولیس الرجوع الی الرسول والی الاجماع	رسول کی بات ماننا یا اجماع پر عمل کرنا یا بے علم کا
والعامی الی المفتی والقاضی الی العدول	مفتی کے قول پر عمل کرنا تقلید نہیں ہے۔ چونکہ
بتقلید لقیام الحجۃ جلد ۲ صفحہ ۳۰۵۔	اس کی تو دلیل موجود ہے۔

عامی یعنی بے پڑھا لکھا شخص کون ہے اور کیا ہے۔ علامہ شامی اس کا جواب دیتے ہیں

ردمختار صفحہ ۱۹۶۔ جلد ۳۔

قالوا العامی لا مذہب لہ بل مذہبہ مذہب مفتیہ علماء نے کہا عامی کا کوئی مذہب نہیں ہے بلکہ اس کا مذہب

کھانوں کی لذّت۔ عورتوں کے ناز و انداز۔ کپڑوں اور مکانوں کی لطافت۔ بس یہ چیزیں ہیں جن میں تم مستغرق ہو۔ کبھی خدا کا خیال تمھیں نہیں آتا۔

تفہیمات جلد دوم میں فرماتے ہیں ؛

حضور علیہ السّلام نے فرمایا ہے۔ تم بھی آخر کار اپنے سے پہلی امتوں کی طرح طریقے اختیار کروگے اور جہاں جہاں اُنھوں نے قدم رکھا ہے تم بھی رکھوگے۔ حتّٰی کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں گھسے ہیں تو تم بھی ایسا ہی کروگے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ پہلی امتوں سے آپ کی منشاء یہود و نصاریٰ ہیں۔ فرمایا اور کون۔ یہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے۔ حضور علیہ السّلام نے صحیح فرمایا۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے وہ ضعیف الایمان مسلمان دیکھے ہیں جنھوں نے صلحا کو ارباباً من دون اللہ بنا لیا اور یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے اولیا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے۔ ہم نے ایسے بھی لوگ دیکھے جو کلام شارع میں تحریف کرتے ہیں اور حضور علیہ السّلام کی جانب یہ قول منسوب کرتے ہیں کہ نیک لوگ اللہ کے لئے اور گنہگار میرے لئے یہ بھی اسی قسم کی بات ہے جیسے یہودی کہتے تھے لن تمسّنا النار الا ایاما معدودات۔ ہم دوزخ میں اگر گئے بھی تو چند روز کے لئے۔ سچ پوچھو تو آج ہر گروہ میں دین کی تحریف پھیلی ہوئی ہے۔ صوفیہ میں دیکھو تو ایسے اقوال زبان زد ہیں جو کتاب و سنّت سے مطابقت نہیں رکھتے۔ خصوصًا مسئلہ توحید میں۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو شریعت کی پرواہ تک نہیں ہے۔ فقہا کو دیکھو تو ان میں اکثر وہ باتیں ملتی ہیں جن کے ماخذ کا پتہ ہی نہیں۔ مثلًا دہ دردہ کا مسئلہ اور کنوؤں کی طہارت کا مسئلہ۔ اصحاب معقول اور اصحاب ثروت اور عوام تو ان کی تحریفات کا ذکر کہاں تک کیا جائے۔

مصفیٰ شرح موطا میں فرماتے ہیں ؛

ہمارے زمانہ کے سادہ لوح اجتہاد سے بالکل برگشتہ ہیں۔ اونٹ کی طرح ناک میں

ان یاخذ بالظن من غیر ثقتہ	نہیں ہے کہ بغیر وثوق کے گمان پر عمل کرے اور
ولا ان یاخذ من السنتہ العوام ولا	یہ کہ عوام کے طریقے اختیار کرے اور نہ یہ کہ کسی
ان یاخذ من کتاب غیر مشہور۔	غیر مشہور کتاب کے اقوال کو اختیار کرے۔

گویا شاہ صاحب کا منشا یہ ہے کہ جہاں شافعی اور دوسرے مذاہب کے عالم نہ ہوں اور صرف حنفی ہی ہوں تو حنفی مذہب سے سر مو تجاوز نہ کرنا چاہئے۔ لیکن اگر شافعی عالم یا دوسرے مذاہب کے علماء ہوں تو پھر قید نہیں رہتی۔

تقلید کے اس مبحث سے ہٹ کر اصل چیز جو زیر بحث ہے وہ اجتہاد ہے۔ اس لئے یہی غور طلب ہے کہ مجتہد کے لئے کیا ضروری ہے اور یہ کہ کیا اجتہاد اب بھی کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

مجتہد کے لئے نصاب تعلیم

علم اصول فقہ ۔ مسلم الثبوت صفحہ ۴ میں ہے :۔

ہو علم بقواعد یتوصل بہا الی استنباط الاحکام الفقہیتہ عن دلائلہا۔	علم اصول ان قواعد کے جاننے کا نام ہے جن کے ذریعے سے فقہی احکام کو دلائل سے استنباط کیا جاتا ہے۔

توضیح اور اس کی شرح تلویح صفحہ ۲۱ پر ہے :۔

علم اصول الفقہ العلم بالقواعد التی یتوصل بہا الیہ علی وجہ التحقیق۔	علم اصول فقہ ان قواعد کے جاننے کا نام ہے جن کے ذریعہ سے تحقیق کے ساتھ علم فقہ حاصل ہو سکے۔

مختصر اصول ابن حاجب صفحہ ۱۸ میں ہے :۔

ہو العلم بالقواعد التی یتوصل بہا الی استنباط الاحکام الشرعیۃ الفرعیۃ عن ادلتہا التفصیلتہ۔	اصول فقہ اُن قواعد کے جاننے کا علم ہے، جن سے احکام شرعیہ فرعیہ کا تفصیلی دلائل سے استنباط کرنا ہو۔

وعلله فی شرح التحریر بان المذہب انما یکون لمن له تنوّع نظر واستدلال وبصر بالمذاہب علی حسبه او لمن قرء کتاباً فی فروع ذلک المذہب وعرف فتاوی امامه واقواله واما غیره من قال انا حنفی او شافعی لم یصر کذالک بمجرد القول کقوله انا فقیه او نحوی۔

وہی ہے جو اس کے مفتی کا ہے۔ شرح تحریر میں اسکی دلیل یہ ہے کہ مذہب تو اس کا معتبر ہوتا ہے جس کی نظر استدلال ہو اور مذاہب سے واقف ہو یا جس نے اس مذہب کے فروع کی کوئی کتاب پڑھی اور اپنے امام کے فتادے اور اقوال کی پہچان ہو۔ لیکن جو شخص ایسا نہیں پھر وہ کہے کہ میں شافعی یا حنفی ہوں تو ایسا کہنے سے وہ شافعی یا حنفی نہیں ہوسکتا۔ یہ قول ایسا ہے جیسے وہ کہدے کہ میں فقیہہ ہوں یا نحوی ہوں۔

بہر حال تقلید کی لفظی تعریف میں جو موشگافیاں ہیں، ان الجھنوں سے ہٹکر آسان بات یہ ہے کہ ایک جاہل آدمی اتباع کرے۔ پیروی کرے یا نقل کرے وہ چونکہ دلائل سے ناواقف ہے اور اس میں اس کے سمجھنے کی صلاحیت بھی نہیں ہے۔ اس لئے اس کو اگر لفظ تقلید یا کسی اور لفظ سے تعبیر کیا جائے تو کیا حرج ہے۔ ایسے طبقہ کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انصاف میں خوب فیصلہ فرمایا ہے:

فاذا کان انسان جاہل فی بلاد الہند وبلاد ماوراء النہر ولیس ہناک عالم شافعی ولا مالکی ولا حنبلی ولا کتاب من کتب ہذہ المذاہب وجب علیه ان یقلد لمذہب ابی حنیفه ویحرم علیه ان یخرج من مذہبه لانه حینئذٍ یخلع من عنقه ربقة الشریعة ویبقی سدی مہملاً بخلاف ما اذا کان فی الحرمین فانه تیسّر له ہناک معرفة جمیع المذاہب ولا یکفیه

جب جاہل آدمی ہندوستان یا ماوراء النہر کے شہروں میں ہو اور وہاں کوئی عالم شافعی مالکی یا حنبلی نہ ہو اور نہ اس مذاہب کی کوئی کتاب ہو تو اس پر لازمی یہی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کی تقلید کرے اور ناجائز ہے کہ اس مذہب سے خارج ہو چونکہ اس صورت میں شریعت کا پھندا اپنی گلے سے نکال کر مہمل بن جائیگا۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب حرمین میں ہو تو وہاں ان سب مذہبوں کا جاننا اس کے لئے آسان ہے اور اس کے لئے کافی

ان سے واقفیت تامہ ہو، قرآن کے ناسخ ونسوخ کا علم ہو اور کلام عرب اور ان کے محاورات کا بھی علم ہو۔ اسی طرح احادیث نبوی میں صحت سند و احادیث احکام و احادیث کے ناسخ و منسوخ کا مکمل علم ہو اور قیاس کے شرائط و لوازم کا صحیح علم ہو۔

پھر صاحب نور الانوار فرماتے ہیں :۔

انما تعرف احکام الشرع بمعرفة اقسامها و ذلک اربعة۔ الاوّل فی وجوه النظم صیغةً و لغةً۔ وہی اربعة الخاص والعام والمشترک والماول۔ والثانی فی وجوه البیان بذلک النظم، وہی اربعة ایضاً الظاہر والنص والمفسر والمحکم واہذا الاربعة اربعة تقابلہا وہی الخفی والمشکل والمجمل والمتشابہ۔ والثالث فی وجوه استعمال ذلک النظم۔ وہی اربعة ایضاً الحقیقة والمجاز والصریح والکنایہ۔ التقسیم الرابع فی معرفة طرق وقوف المجتہد علیٰ مراد النظم وہی اربعة الاستدلال بعبارة النص وباشارتہ وبدلالتہ وباقتضاءہ۔

احکام شرع کے جاننے کے لئے اس کے اقسام کی معرفت ضروری ہے اور یہ چار ہیں پہلی قسم نظم کلام کے صیغوں کی شناخت میں ہے۔ جس کی چار قسمیں ہیں، خاص۔ عام۔ مشترک اور مؤوّل۔ دوسری قسم عبارت کے بیان کے متعلق، اس کی بھی چار قسمیں ہیں۔ ظاہر۔ نص۔ مفسر اور محکم اور چاروں کے مقابل بھی چار ہیں۔ خفی۔ مشکل۔ مجمل اور متشابہ۔ تیسری قسم کلام کے استعمال کرنے کے سلسلہ میں ہے جو حقیقت۔ مجاز۔ صریح اور کنایہ ہیں۔ چوتھی قسم اس بیان میں کہ مجتہد کلام کس کس طریقہ سے سمجھ کر مقصد کو حاصل کر لیتا ہے اس کے چار طریقے ہیں۔ استدلال نص کی عبارات سے، استدلال نص کے اشارات سے۔ استدلال نص کی دلالت سے استدلال باقتضاء النص۔

نامی شرح حسامی میں ہے :۔

انما الاستدلال فعل المجتہد۔

ان قواعد سے استدلال کرنا مجتہد کا کام ہے

اجتہاد کی تعریف صاحب مسلم الثبوت نے یوں فرمائی ہے :۔

اصول شاشی صفحہ ۲ پر ہے

اصول الفقه اربعة كتاب الله وسنت رسوله واجماع الامة والقياس ولا بد من البحث من كل واحد من هذه الاقسام ليعلم طريق تخريج الاحكام۔

اصول فقہ چار (قرآن۔ حدیث۔ اجماع امت اور قیاس) ہیں۔ ان کے احوال سے اس لئے بحث کی جاتی ہے کہ استنباط احکام کا طریقہ معلوم ہو سکے۔

اسی عبارت کی شرح میں شارح نے لکھا ہے (ای طریق تخریج المجتہد الاحکام۔ حاشیہ فصول صفحہ ۹)۔ یہ معلوم ہو سکے کہ مجتہد کیوں کر احکام مستنبط کرتے ہیں۔

نور الانوار صفحہ ۲۴۶ میں اجتہاد کی شرائط کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

شرط الاجتهاد ان يحوى علم الكتاب بمعانيه اللغوية والشرعية ووجوهه التي قلنا من الخاص والعام والامر والنهي وسائر الاقسام السابقة ولكن لا يشترط علم جميع ما في الكتاب بل قدر ما يتعلق به الاحكام ويستنبط هي منه وذلك قدر خمس مائة آيات التي الفتها وجمعتها في التفسير الاحمدية وعلم السنة بطرقها المذكورة في اقسامها مع اقسام الكتاب وذلك ايضا قدر ما يتعلق به الاحكام اعني ثلاث آلاف دون سائرها وان يعرف وجوه القياس بطرقها وشرائطه المذكورة آنفا۔

اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ قرآن کے لغوی اور شرعی معانی جانتا ہو اور جو وجوہ اصولی یعنی خاص عام امر و نہی اور اقسام سابقہ سے باخبر ہو لیکن تمام قرآن مجید کا علم ضروری نہیں بلکہ اس قدر ضروری ہے جن سے احکام متعلق ہوں اور ان سے احکام مستنبط ہو سکیں اور یہ پانچسو آیات کے قریب ہیں جن کو میں نے تفسیر احمدی میں جمع کر دیا ہے۔ قرآن کے ساتھ حدیث کا علم بھی مع اقسام حدیث اقسام کتاب جانتا ہو اور یہ بھی تقریباً تین ہزار احادیث نہ تمام احادیث اور یہ کہ قیاس کے علم کو مع اس کے شرائط مذکورہ اور طریقوں کے جانتا ہوں۔

یعنی اصولی حیثیت سے اجتہاد کے لئے قرآن کی ایسی تمام آیات جو احکام سے متعلق ہوں، ان پر کامل عبور ہو، ان کا شان نزول اور جن ضرورتوں کے لئے وہ احکام نازل ہوئے

اجماع

اجماع کے حجت ہونے پر سلف سے خلف تک اختلاف چلا آرہا ہے۔ مسلم الثبوت صفحہ ۲۱۴ میں ہے:

الاجماع اتفاق المجتہدین من ہذہ الامۃ فی عصر علیٰ امر شرعی وقال بعض النظامیہ والشیعۃ انہ محال ولو سلم فالعلم بہ محال ولو سلم فنقلہ الینا محال۔

اس امت کے مجتہدین کا ایک زمانہ میں کسی شرعی حکم پر متفق ہونا اجماع ہے بعض نظامیہ اور شیعہ اس کا وجود محال کہتے ہیں اگر وجود مان لیں تو اس کا علم محال ہے۔ اگر علم بھی ہو تو اس کا نقل ہو کر ہم تک پہنچنا محال ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ما یدعی فیہ الرجل فہو کذب ومن ادعی الاجماع فہو کاذب۔

جس بات میں اجماع کا دعویٰ کیا جائے وہ جھوٹ ہے۔ اور جو شخص اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔

نورالانوار صفحہ ۲۲۳ میں ہے:

والامۃ اذا اختلفوا فی مسئلۃ فی ای عصر علیٰ اقوال کان اجماعاً منہم علیٰ ان ما عداہا باطل

امت محمدیہ کا جب کسی مسئلہ میں کسی زمانہ میں اختلاف ہوا ہو تو یہ اختلاف گویا اجماع ہے اس بات پر کہ ان اقوال کے علاوہ کوئی اور قول پیدا کرنا باطل ہے۔

اس تعریف پر خود بھی صاحب نورالانوار کو دشواری نظر آئی تو فرما دیا:

یرد علیہ ان اُرید بالاختلاف الاختلاف مشافہۃ فی زمان مشافہۃ واحد فینبغی ان یکون مذہب الشافعی واحمد بن حنبل باطلاً حین اختلف ابوحنیفۃ مع مالک فی زمان واحد وان اُرید بالاختلاف اعم من ان یکون فی زمان واحد ام لا

اس ممانعت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر اختلاف سابق سے مراد ایک زمانہ کا اختلاف ہے تو یہ چاہیئے کہ امام شافعی و امام احمد کا مذہب غلط ہو۔ چونکہ پہلے ایک زمانہ میں ابوحنیفہ و مالک کا اختلاف ہوچکا ہے۔ اور اگر اختلاف سابق سے مراد عام ہو کہ ایک زمانہ میں ہو یا ایک میں نہ ہو

الاجتہاد بذل الطاقۃ من الفقیہ فی تحصیل حکم شرعی ظنی — فقیہہ کا اپنی قوت علمیہ کو شرعی حکم حاصل کرنے میں صرف کرنا اجتہاد ہے

صفحہ ۲۲۶

اور اس سے غلطی کا بھی امکان ہے توضیح ۳۳۹

والمجتہد عندنا یخطی و یصیب — ہمارے نزدیک مجتہد غلطی بھی کرتا ہے اور صحیح بھی فیصلہ کرتا ہے۔

مجتہد کے لئے قرآن کے معانی وغیرہ کے متعلق تو وضاحت کر دی گئی۔ امام رازی تفسیر کبیر جلد ۷ میں فرماتے ہیں:

قال عمر ایہا الناس علیکم بدیوانکم لاتضلوا قالوا وما دیواننا قال شعر الجاہلیۃ فیہ تفسیر کتابکم۔ — اے لوگو اپنے عربی اشعار یاد کیا کرو اس میں کتاب اللہ کی تفسیر ہے۔

حدیث کے متعلق صاحب تلویح نے یہ فیصلہ فرما دیا صفحہ ۳۳۸۔

البحث عن احوال الرواۃ فی زماننا کالمتعذر لطول المدۃ وکثرۃ الوسائط فالاولی الاکتفاء بتعدیل الائمۃ الموثوق بہم فی علم الحدیث کالبخاری والمسلم والبغوی والصنعانی وغیرہم من ائمۃ الحدیث ولایخفی ان المراد معرفۃ السنۃ بمعانیہ لغۃ وشرعًا وباقسامہ من الخاص والعام وغیرہما

ہمارے زمانہ میں راویان حدیث کے حالات سے بحث کرنا طول مدت کی وجہ دشوار تر ہے۔ پس بہتر یہ ہے کہ ائمہ حدیث جو فن حدیث میں معتبر ہیں انھیں کی تنقید اور تعدیل پر اعتماد کیا جائے۔ جیسے امام بخاری، مسلم وصنعانی اور ان کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث جاننے سے مراد یہ ہے کہ متن حدیث کو لغوی اور شرعی معانی اور اقسام خاص وعام کے ساتھ اور ان کے علاوہ جانتا ہو۔

ذٰلک قیاسًا لتقدیر حکم الفرع بالاصل فی الحکم والعلۃ۔ حسامی صفحہ ۹۸

قیاس کہتے ہیں۔ چونکہ وہ فروع کو اصل کے ساتھ حکم اور علت میں برابر کرتے ہیں۔

مصنف نورالانوار نے اس کو مثال سے واضح فرمادیا ہے۔ قیاس تین اصول پر متفرع ہوسکتا ہے۔

۱۔ کوئی ایسا حکم ہو جو قرآن مجید میں ہو اس پر کسی دوسرے حکم غیر مذکور کو قیاس کرنا۔

۲۔ کوئی ایسا حکم جو حدیث میں ہو اس پر کسی دوسرے حکم غیر مذکور کو قیاس کرنا۔

۳۔ کوئی ایسا حکم ہو جو اجماع سے ثابت ہو اس پر قیاس کرنا۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں :

نظیر القیاس المستنبط من الکتاب قیاس حرمۃ اللواطۃ علٰی حرمۃ الوطی فی حالۃ الحیض بعلۃ الاذی المستفادۃ من قولہ تعالٰی ولاتقربوھن حتی یطھرن۔ ونظیر القیاس المستنبط من السنۃ قیاس حرمۃ التفاضل الجنس والنورۃ بعلۃ القدر والجنس علٰی حرمۃ الاشیاء الستۃ المستفادۃ من قولہ علیہ السلام الحنطۃ بالحنطۃ والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح والذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ مثلاً بمثل یدا بید والفضل ربوا ونظیر القیاس المستنبط من الاجماع قیاس حرمۃ ام المزنیہ علٰی حرمۃ ام امتہ التی وطیھا المستفادۃ من الاجماع بعلۃ الجزئیۃ والبعضیہ۔

قرآن مجید پر قیاس کی مثال یہ ہے کہ جس طرح حیض کی صورت میں بوجہ ناپاکی عورت کے ساتھ جماع کی ممانعت آئی ہے اسی طرح لواطت کو بھی اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ حدیث پر قیاس کی مثال یہ ہے کہ جس طرح گیہوں سے گیہوں برابر بیچنے کا حکم آیا ہے اور زیادہ کو سود قرار دیا گیا ہے اسی طرح بوجہ علت قدر اور جنس کے چونہ اور نورہ کو بھی انھیں اشیاء پر قیاس کرسکتے ہیں یعنی گیہوں کے بدلے گیہوں، جَو کے بدلے جَو، کھجور کے بدلے کھجور، نمک کے بدلے نمک، سونے کے بدلے سونا، چاندی کے بدلے چاندی برابر برابر اس ہاتھ اس ہاتھ اور زیادہ سود ہے۔ اجماع سے قیاس کی مثال یہ ہے کہ جس طرح لونڈی جماع کردہ کی ماں سے نکاح کرنا حرام ہے اسی طرح جس عورت سے زنا کیا ہو اس کی ماں سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔

فکیف لایعتبر اختلافنا کما اعتبر اختلاف الشافعی واحمد بن حنبل والجواب عنہ صعب۔ نورالانوار صفحہ ۲۲۳۔

بلکہ مختلف زمانوں میں ہو تو جس طرح امام شافعی و امام احمد کا اختلاف معتبر ہے پھر ہمارا بھی کیوں نہ ہو۔ اور اس کا جواب بہت مشکل ہے۔

ان مشکلات کے پیش نظر آسان بات یہ ہے کہ اجماع کی دو صورتیں ہیں، ایک کہ مستند اس کا کتاب و سنّت ہو، دوسرے یہ کہ علما اور فقہا کی آرار کا اتفاق ہو خواہ کسی ضرورت کی بنا پر ہوا ہو پہلا اجماع تو واجب الاتباع ہے اور دوسرا اختیاری ہے۔ تلویح میں ہے:

الجمہور علی انہ لایجوز الاجماع الا عن سند من دلیل او امارۃ لان عدم السند یستلزم الخطا اذالحکم فی الدین بلا دلیل خطاء۔

جمہور علماء اس پر ہیں کہ اجماع بغیر دلیل کے جائز نہیں چونکہ بغیر دلیل کے اجماع سے غلطی لازم آتی ہے اور دین میں بغیر دلیل کے حکم غلط ہے۔

حضرت شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:

اتفقوا علی القول بالاجماع الذی مستندہٗ الکتاب والسنتہ او الاستنباط من احدہما ولم یجوز والقول بالاجماع الذی لیس مستندًا الی احدہما۔

علماء اصول اس اجماع کے قائل ہیں جس کی دلیل صریح کتاب و سنّت سے ہو یا ان میں سے کسی سے مستنبط ہو اور جس اجماع کی سند قرآن و حدیث سے نہ ہو علمائے اصول اس کے قائل نہیں ہیں۔

قیاس

قیاس کی تعریف نورالانوار صفحہ ۲۲۴ میں ہے:

ہو تقدیر الفرع بالاصل فی الحکم والعلۃ

فرع (جس کو مقیس کہتے ہیں) کو اصل (مقیس علیہ) کے تحت حکم اور علت میں برابر کرنا۔

مساوات المسکوت بالمنصوص فی علۃ الحکم مسلم الثبوت صفحہ ۲۲۵۔

جس امر کا حکم شریعت میں نہ آیا ہو اس کو منصوص کے ساتھ (جس کا حکم آیا ہو) حکم کی علت میں برابر کرنا۔

والفقہاء اذا اخذوا الحکم الفرع من الاصل سموا

فقہا جب فرع کو اصل سے حاصل کرتے ہیں تو اس کو

علّامہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین میں بہ کثرت علماء کی آراء مخالفت قیاس میں جمع فرمائی ہیں۔ ہم اُس تفصیل کا کچھ حصّہ نقل کرتے ہیں۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں :۔

" ائمہ تابعین اور تبع تابعین قیاس کی مذمت اور اس کے باطل ہونے کا بیان کھلے لفظوں میں فرماتے ہیں ۔ امام طحاوی نے ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ قیاس " نحوست " ہے اور سب سے پہلے شیطان نے قیاس کیا اور چاند و سورج کی پرستش دنیا میں قیاس ہی سے جاری ہوئی۔ ابن وہب نے قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ حدیث نبوی قیاس پر تلوار کا کام کرتی ہے ۔ امام شعبی رحمہ اللہ نے فرمایا تین باتیں مجھ سے یاد کر لو ۔ جب تم سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو قیاس نہ کیا کرو۔ چونکہ بعض دفعہ تم اپنی غلطی رائے سے حلال کو حرام کر ڈالو گے۔ جب تم سے کسی ایسی بات کا سوال کیا جائے جسے تم نہیں جانتے تو صاف کہدیا کرو کہ مجھے نہیں معلوم اور میں بے علمی میں تم جیسا ہوں۔ امام شعبی فرماتے ہیں : خبردار ہرگز قیاس نہ کرنا، ورنہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر ڈالو گے ۔ البتہ جو صحابۂ کرام سے تم کو پہنچے اسے یاد کر لیا کرو۔ صالح بن مسلم کہتے ہیں ، ایک روز امام شعبی نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ تم نے احادیث کو چھوڑ کر قیاس شروع کیا اس وجہ سے تم ہلاک ہوگئے ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے فرمایا : خدا سے ڈرو۔ قیاس نہ کیا کرو۔ سب سے پہلے شیطان نے قیاس کیا اور کہا میں حضرت آدم سے بہتر ہوں ۔ مجھے آگ سے پیدا کیا اور انھیں مٹی سے ۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا حضور علیہ السلام سے جب کوئی سوال کیا جاتا تو آپ بغیر وحی الٰہی کے جواب نہیں دیتے تھے اور جو شخص اپنی رائے ۔ قیاس یا حسن ظن کی تقلید سے یا عرف یا عادت یا سیاست یا ذوق یا کشف یا خواب یا استحسان سے مسئلہ بتاتا ہے ، وہ بڑی جرأت کرتا ہے ۔ امام شعبی نے فرمایا عنقریب جہالت علم ہو جائیگی اور علم جہل بن جائے گا ۔ لوگوں نے پوچھا کیسے ۔

بعض مثالوں پر اگرچہ محشیوں نے اعتراض بھی کیا ہے لیکن ان سے قطع نظر ایک عام فہم مثال یہ ہے۔ شراب کی حرمت قرآن مجید میں ہے۔ بھنگ۔ چرس۔ گانجہ۔ چانڈو کا تذکرہ نہیں ہے۔ اس لئے قیاس ہوسکتا ہے کہ چونکہ شراب نشہ کی وجہ سے حرام ہے، اس لئے یہ چیزیں بھی منشیات ہیں۔ اور یہ بھی حرام ہیں۔ مصنف اصول شاشی نے شروط کو واضح فرمایا ہے:

شروط صحۃ القیاس خمسۃ احدہا ان لایکون فی مقابلۃ النص والثانی ان لایتضمن تغییر حکم من احکام النص والثالث ان لایکون المعدی حکماً لایعقل معناہ والرابع یعقل التعلیل لحکم شرعی لا لامر لغوی والخامس ان لایکون الفرع منصوصاً علیہ۔ صفحہ ۴۵

قیاس کی شرطیں پانچ ہیں ایک یہ ہے کہ نص کے مقابلہ میں نہ ہو۔ دوسری یہ ہے کہ نص کے حکم میں تغیر نہ آئے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ کسی ایسے مسئلہ میں نہ ہو جو خلاف قیاس ہو۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ کسی شرعی حکم کے لئے قیاس ہو لغوی امر کے ثبوت میں نہ ہو۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ حکم (مقیس علیہ) منصوص علیہ (مخصوص) نہ ہو۔

یہی مضمون تقریباً حسامی صفحہ ۹۸، نورالانوار صفحہ ۲۲۸، حصول المامول ۲۶۱ اور مسلم الثبوت صفحہ ۲۲۶ وحاشیہ ازمیری صفحہ ۲۸۳ پر ہے۔

بہت سے علماء وفقہائے سابقین قیاس کے منکر ہیں وہ بھی اس طرح کہ وہ نصاب اجتہاد میں قیاس کو لازمی قرار نہیں دیتے بلکہ وہ قیاس کے مخالف ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کی تفریق خوب فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کسی حکم منصوص سے اس کی علت نکالنا اور جس میں وہ علت پائی جائے اس میں اسی حکم کو نافذ کرنا۔ مثلاً شراب کی حرمت ثابت ہے اور نشہ اس کی حرمت کی علت ہے پس جس چیز میں سکر پایا جائیگا۔ اس پر حرمت کا حکم نافذ کرنا قیاس شرعی ہے جو صحابہ و تابعین میں رائج تھا اور رائے یہ ہے کہ اپنی تراشی ہوئی بات کو حرمت وحلت کی علت قرار دینا مثلاً حرج یا مصلحت کو کسی حکم کی علت ٹھہرانا یہ قیاس ہے۔ اس لئے امام شافعی نے فرمایا من استحسن فانہ ارادیکون شارعاً۔ جس نے قیاس استحسان کیا اس نے صاحب شرع بننے کا ارادہ کیا۔

صدر الشریعۃ مصنف توضیح بالکل صاف صاف ارشاد فرماتے ہیں

قولنا یتوصل بہا الیہ الظاھر ان ہذا یختص المجتہد فان المبحوث عنہ فی ہذا العلم قواعد یتوصل بہا الی الفقہ فان المتوصل الی الفقہ لیس الا المجتہد فان الفقہ ہو العلم بالاحکام من الادلۃ التی لیس دلیل المقلد فاما المقلد فالدلیل عندہٗ قول المجتہد فالمقلد یقول ہذا الحکم واقع عندی لانہ ادی الیہ رای ابی حنیفۃ۔	اصول فقہ کے ساتھ فقہی مسائل تک پہنچنا خاص مجتہد کا کام ہے۔ چونکہ یہ ایسا علم ہے کہ اس کے قواعد کے ساتھ مسائل فقہ کو مدلل سمجھا جاتا ہے اور مدلل فقہ کا سمجھنا مجتہدین کا کام ہے۔ مقلد کا نہیں ہے۔ مقلد کی دلیل تو اس کے امام کا قول ہے۔ مثلاً مقلد یوں کہتا ہے کہ یہ حکم میرے لئے صحیح ہے اس لئے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے میں یہ صحیح ہے۔

توضیح مع تلویح صفحہ ۲۲۔

گویا جو علما علم اصول کے استنباطی قواعد کو سمجھ کر باخبر ہوئے اور مسائل کو دلائل سے سمجھتے ہیں وہ مجتہد ہیں اور جو سن کر عمل کرتے ہیں وہ مقلد ہیں اور یہ امر کہ مجتہد کو کتنا باخبر ہونا چاہئے اس کا حل بھی صدر الشریعہ مصنف توضیح فرماتے ہیں :

لا یراد بہ انہ یکون بحیث یعلم بالاجتہاد حکم کل واحد لان العلماء المجتہدین لم تیسر لہم علم بعض الاحکام مدۃ حیاتہم کابی حنیفہ رحمہ اللہ لم یدر الدہر وفی التلویح سُئل مالک عن اربعین مسئلۃ فقال فی ست و ثلاثین لا ادری بل شرط فیہ ملکۃ الاستنباط الصحیح وہو ان یکون مقرونا بشرائط۔	یہ معنی نہیں ہیں کہ مجتہد اجتہاد کے ذریعہ سے ہر ایک حکم کو جان لیتا ہے۔ چونکہ بعض مجتہد ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو بعض احکام ساری عمر معلوم نہ ہوسکے۔ جیسے امام ابوحنیفہ نے دہر کے معنی نہ سمجھے۔ اور امام مالک سے چالیس مسئلے پوچھے گئے تو انہوں نے چھتیس میں لاعلمی کا اظہار کیا بلکہ شرط یہ ہے کہ صحیح استنباط اور استخراج کا اس کو ملکہ حاصل ہو جو اپنے شرائط کے ساتھ ہوتا ہے۔

صفحہ ۱۷- ۱۸-

فرمایا: ہم تو احادیث و آثار صحابہ کی پیروی کرتے تھے۔ لیکن اب لوگوں نے قیاس کرنا شروع کر دیا۔ بس یہی ہلاکت ہے۔ مسروق کہتے ہیں میں تو کبھی قیاس نہیں کرتا شاید میں لغزش کر جاؤں۔ ابوبکر مروزی کہتے ہیں میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ سے سنا کہ قیاس کرنے والوں کے پاس بھی نہ بیٹھو۔ انھیں منکرین قیاس نے فرمایا ہی کہ قیاس اگر حجت شرعی ہوتا تو باہمی مخالف نہ ہوتا۔ ہر ایک قیاس کرنے والا سمجھتا ہے کہ میرا قیاس صحیح ہے۔ حالانکہ احکام خداوندی متعارض نہیں ہیں۔

علامہ ابن قیم نے اس موضوع پر بیشتر صفحات تحریر فرمائے ہیں۔ ان کے علاوہ امام رازی نے بھی تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۱۳۹ میں مانعین قیاس کے دلائل نقل کئے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ قیاس کی تشریح جو امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے وہ تو علماء متقدمین و متاخرین میں رائج ہے۔ البتہ قیاس بمعنی رائے اس سے ائمۂ سابقین کو اختلاف رہا ہے۔ بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ نصاب اجتہاد میں قیاس ضروری ہے یا نہیں۔ ایک طبقہ اس کو ضروری و لازمی قرار دیتا ہے اور دوسرا اس کا منکر ہے۔

ان علوم و فنون کی تکمیل یعنی نصاب اجتہاد کے پڑھنے اور سمجھنے کی غرض یہ نہیں ہے کہ سطحی حیثیت سے ان کو پڑھ لیا جائے بلکہ درجۂ اجتہاد تک پہنچنا مقصود ہے اس لئے علماء اصول نے فرمایا ہے:

و قد یزعم من لا حظ لہ من التحقیق ان ہذا الفن انما ہو حکایۃ سیر اقوام مضوا بسبیلہم وسلوکہم مسلک النظر فی الاحکام ولیس لنا الا اتباعہم فی ما وضعوا مذہبًا و دلیلًا وانت خبیر بانہ یول الی جعل ہذا الفن کنقول التواریخ فی انہ لا یترتب علیہ غایۃ یعتد بہا۔	بعض لوگ جن کو تحقیق سے حصہ نہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ فن (اصول فقہ) محض گذرے ہوئے لوگوں کی حکایت ہے اور ہم کو ان کے مقرر کردہ مذہب اور دلیل ہی کی پیروی کرنی چاہیئے۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ ایسا کہنا گویا اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ فن (اصول) بھی ایک تاریخ ہے اور اس سے کوئی بڑا نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔
حصول المامول صفحہ ۶۔	

ترجیح دیں، جیسے وہ اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ یہ اولیٰ ہے، یہ بہت صحیح ہے، یہ لوگوں کے حال کے زیادہ موافق ہے۔ چھٹا طبقہ ان مقلدین علماء کا ہے جو قوی اور قوی تر ضعیف ظاہر المذہب اور نادر الروایات میں تمیز کرسکتے ہیں، جیسے عام متون کی کتابوں کے مصنف مثل صاحب کنز صاحب درمختار اور صاحب وقایہ ان کا کام یہ ہے کہ مردود ضعیف روایات نقل نہ کریں۔ ساتواں طبقہ ان مقلدین کا ہے جن میں کسی قسم کی تمیز نہیں ہے، نہ ان کو مذکورہ بالا افعال پر قدرت ہے اور نہ کھرے کھوٹے کو پہچان سکتے ہیں درمختار اور ردمحتار میں اسی تفصیل کے ساتھ تقسیم کی گئی ہے۔ علامۂ وقت مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ الرعایہ کے مقدمہ میں صفحہ ۸ و ۹ پر صاحب درمختار پر شدید نکتہ چینی کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے۔ فرماتے ہیں مصنف درمختار کا قدم ڈگمگا گیا۔ انھوں نے یہ کہدیا کہ مجتہد مطلق کا وجود نہیں ہے اور تقلید کے سات مشہور مراتب ہیں۔ مجتہد مطلق توان سات میں شامل ہر خارج نہیں ہے اور ساتواں درجہ مراتب اجتہاد میں شامل ہی نہیں۔

اس کے بعد مولانا مرحوم نے بحوالۂ امام غزالی و بحوالہ شمس الائمۃ محمد بن عبدالستار الکردری اس کو واضح فرمایا ہے کہ امام ابویوسف و امام محمد رحمہما اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے دو تہائی مذہب میں اختلاف کیا ہے اور امام ابویوسف و امام محمد کو جب امام صاحب کے قول کی دلیل نہ ملی تو انھوں نے امام صاحب کی رائے کو چھوڑ دیا۔ اس کے علاوہ مولانا مرحوم نے مصنف درمختار پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ اجلۂ فقہا کو جس ترتیب سے ذکر کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

حضرت شاہ ولی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے الانصاف میں اس تقسیم کو دوسری نہج سے ارشاد فرمایا ہے فرماتے ہیں: علماء دو قسم کے تھے۔ ایک طبقہ ایسا جن کی کامل توجہ قرآن، سنت اور آثار صحابہ پر تھی اور اس طبقہ نے استعداد بالقوۃ جس کو بالفعل کہنا چاہیئے حاصل کرلی ان کا جواب دینا بمقابلہ توقف اور سکوت کے زیادہ تھا، یہ لوگ مجتہد مطلق کے نام سے موسوم تھے۔ یہ استعداد کبھی اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ روایات جمع کرنے میں سعی بلیغ کی جائے۔ چونکہ بہت سے احکام احادیث میں اور بہت سے آثار صحابہ اور تابعین

فقہا اور مجتہدین کے طبقات

علامہ شامی نے ردمحتار جلد اوّل میں جو تصریح فرمائی ہے وہ بھی ضروری ہے۔

پہلا طبقہ مجتہدین کا ہے جیسے ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ۔ امام مالک امام شافعی۔ امام احمد بن حنبل) ان کے سوا اور جنھوں نے اصول مقرر کئے وہ اوروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ دوسرا طبقہ ان مجتہدین کا ہے جو مجتہد فی المذہب ہیں۔ جیسے امام ابویوسف امام محمد اور امام ابوحنیفہ کے باقی اصحاب جو امام ابوحنیفہ کے مقرر کردہ قواعد شرعیہ سے استنباط پر قادر ہیں۔ اگرچہ بعض فروع میں استاد کے مخالف ہوں مگر قواعد کلیہ میں وہ استاد کے مقلد ہیں۔ اس اصولی تقلید کی وجہ سے وہ دیگر مقابل اماموں (یعنی امام شافعی وغیرہم) سے ممتاز ہیں چونکہ دوسرے امام نہ اصول میں نہ فروع میں مقلد تھے۔ تیسرا طبقہ ان علماء کا ہے جو ایسے مسائل میں اجتہاد کرتے تھے جن میں امام ابوحنیفہ سے کوئی روایت نہ ملتی ہو جیسے خصاف طحاوی۔ کرخی۔ حلوانی۔ سرخسی۔ بزدوی اور قاضی خان وغیرہ یہ لوگ اصول یا فروع میں امام ابوحنیفہ سے اختلاف کی قدرت نہ رکھتے تھے۔ لیکن حسب قواعد و اصول مقرر کردہ۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ایسے واقعات میں احکام مستنبط کرتے تھے جن میں امام صاحب سے کوئی روایت نہ آئی ہو۔ چوتھا طبقہ مقلدین اصحاب التخریج کا ہے۔ یہ لوگ اصول و فروع میں اجتہاد پر قادر نہ تھے۔ لیکن بوجہ احاطۂ اصول اور ماخذ اتنے ضرور قادر تھے کہ کسی مجمل یا مبہم روایت کی تفصیل یا تشریح کر دیں، مگر اُسی قول کی جو امام صاحب یا ان کے شاگردوں سے مروی ہوں۔ پانچواں طبقہ اصحاب ترجیح کا ہے۔ یہ لوگ بھی مقلد ہیں۔ جیسے قدوری اور صاحب ہدایہ، اور ان جیسے اور علماء۔ ان کا کام یہی تھا کہ بعض روایات کی تفصیل بیان کر کے بعض کو

بلکہ فرع میں کہنا چاہئے کہ یہ کیوں ہے اور جب فرع کا قیاس اصل پر درست ہو تو وہ فرع صحیح ہے اور اس سے حجت قائم ہو سکتی ہے ۔ یہ سب امام شافعی رحمہ اللہ کے مقرر کردہ اصول ہیں۔ پھر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ دوسری بات مجتہد مستقل کی یہ ہے کہ احادیث و آثار کو جمع کرے ۔ ان کے احکام اور ان میں سے ماخذ فقہ سے واقف ہو اور مختلف اقوال کی تطبیق اور ترجیح اور احتمالات کو معین کرے اور یہ بات ہمارے نقطۂ نظر سے امام شافعی رحمہ اللہ میں دو تہائی علم کے قریب ہے ۔ تیسری بات مستقل مجتہد کی یہ ہے کہ ایسے مسائل جو اس کے سامنے آئیں جن کا جواب بہترین زمانوں میں نہیں ہوا تھا ان پر غور و فکر کے بعد جواب دے ۔ خلاصہ یہ کہ ان تینوں اصولوں میں اس کا بہت زیادہ دخل ہو اور ایسا مجتہد اپنے ہم عصروں میں ممتاز فوقیت رکھتا ہو۔ ان تین باتوں کے علاوہ ملاء اعلیٰ سے اس کو شرف قبول ایسا حاصل ہو کہ اس کے علم کے جانب علماء مفسرین ۔ محدثین ۔ ارباب اصول اور حفاظ کتب فقہ کی گردنیں جھک جائیں ۔

اس اصول کے بعد پھر حضرت شاہ صاحب انصاف ہی میں فرماتے ہیں : اگر یہ کہو کہ علمائے سابقین نے فقہ میں زیادہ کلام نہیں کیا اور جب امام شافعی پیدا ہوئے تو انھوں نے اس میں تشفی بخش کلام فرمایا اور خوب ہی بیان کیا تو میں کہتا ہوں کہ اس کا یہ سبب تھا ۔

> ابتداءً اسلف میں ہر ہر شہر کی حدیثیں اور آثار اسی شہر میں جمع تھے جب ان میں دلیلیں متعارض ہوئیں تو اس شہر کے علماء اس اختلاف کو اپنی ذات سے حل کر دیتے تھے امام شافعی رحمہ اللہ کے زمانہ میں تمام شہروں کی احادیث یکجا ہوئیں اور ان شہروں کی حدیثوں میں اور فقہا کے مختار اقوال میں دو وجہ سے اختلاف ہوا ۔ ایک تو ایک ہی شہر کی روایتوں کا اختلاف ۔ دوسرے سب شہر کی روایتوں میں اختلاف ۔ اور ہر شخص نے اپنے استاد کی روایت کی حمایت کی ۔ ایسے وقت میں لوگ ششدر تھے اور کوئی حل سمجھ میں نہیں آتا تھا ۔ ناگہاں خدا کی امداد رونما ہوئی اور امام شافعی رحمہ اللہ کے دل میں وہ قاعدے القا ہوئے جن سے انھوں نے مختلف احادیث کے تطبیق کے طریقے نافذ کئے اور پچھلوں کے لئے ایک عجیب دروازہ کھولدیا ۔ اور مجتہد مطلق منتسب بہ مذہب

وتبع تابعین میں ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ عاقل زبان داں۔ کلام کے موقع محل کو اور مختلف روایتوں کے مطابقت وترتیب دلائل کو جانتا ہو جیسے دو امام پیشوا احمد بن حنبل واسحٰق بن راہویہ ہیں اور کبھی استعداد مذکور تخریج کے طریقوں کے استحکام اور فقہی حیثیت سے ضوابط وقواعد کو مستحضر کرنے پر صرف ہوتی ہے جیسے دو امام پیشوا ابو یوسف ومحمد بن حسن ہیں۔

پھر فرماتے ہیں، اور مجتہد کو پانچ باتوں سے واقف ہونا چاہیئے۔

۱۔ قرآن وحدیث کے احکام اور ان کے خاص وعام اور مجمل ومبین اور ناسخ ومنسوخ کو جانتا ہو۔

۲۔ حدیث کے متواتر اور غیر متواتر۔ متصل اور مرسل کو اور راویوں کی صحت وضعف کو جانتا ہو۔

۳۔ عربی زبان کے لغت اور نحو سے واقف ہو۔

۴۔ اقوال صحابہ اور تابعین کو اجماع اور اختلاف کے لحاظ سے جانتا ہو۔

۵۔ قیاس کی سب قسموں سے واقف ہو۔

ایسا مجتہد کبھی مستقل ہوتا ہے اور کبھی منسوب بہ مستقل۔ اور مستقل مجتہد باقی مجتہدوں سے تین باتوں میں امتیاز رکھتا ہے۔ جیسے یہ بات امام شافعی رحمہ اللہ میں نمایاں ہے۔ ایک تو یہ کہ اُن اصول وقواعد میں جن سے فقہ کا استنباط ہو تصرف کرے۔ چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب الام میں اس کا ذکر کیا ہے اور اُنھوں نے اگلوں کے طریقہ پر استنباط کو ذکر کر کے پھر ان میں ترمیمیں کی ہیں۔

حضرت شاہ صاحب بواسطۂ شیوخ بسند متصل امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنھوں نے فرمایا: اصل قرآن وحدیث ہے اگر ان میں کوئی بات نہ ہو تو پھر ان دونوں پر قیاس کرنا ہے اور جب حدیث رسول کریم سے بسند متصل صحیح ثابت ہو تو سنت ہے اور اجماع خبر مفرد سے بڑھ کر ہے اور حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہوتی ہے اور جب کسی حدیث کے کئی معنی ہو سکتے ہوں تو جو ظاہر میں حدیث سے مشابہ ہوگا وہی اولیٰ ہے۔ اور جب بہت سی روایتیں متعارض ہوں تو جس کی سند زیادہ صحیح ہوگی وہ بہتر ہے۔ اور حدیث منقطع بجز سعید ابن مسیب کے کوئی چیز نہیں۔ اور ایک اصل کو دوسری اصل پر قیاس نہ کیا جائے اور اصل مسئلہ میں یہ نہ کہنا چاہیئے کہ یہ کیوں اور کس وجہ سے ہے۔

ویطمئن قلبہ بذالک الدلیل وہو علیٰ بصیرۃ من امرہ انہ لیس بمجتہد ظن فاسد وکذالک مایظن ان المجتہد لایوجد فی ہذہ الازمنۃ اعتمادًا علی الظن الاوّل بناء فاسد علی فاسد۔ عقد الجید صفحہ ۴۴

بھی جانتا ہو اور ان پر اس کا دل علیٰ وجہ البصیرت مطمئن بھی ہو۔ ایسا شخص مجتہد نہیں۔ یہ خیال ان کا گمان فاسد ہے اسی طرح یہ خیال کہ اس زمانہ میں کوئی مجتہد نہیں پایا جاتا بناء فاسد علی فاسد (یعنی یہ خیال بھی غلط در غلط ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے ارشاد گرامی سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، ایک یہ کہ جو علماء اپنے مذہب کو علیٰ وجہ البصیرت مع دلیل جانتے اور سمجھتے ہیں ایسا عالم مجتہد کہا جا سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ جو لوگ اس زمانہ میں مجتہد ہونے کے منکر ہیں یہ خیال بھی غلط ہے۔ مجتہد ہونا کوئی وہبی مرتبہ مثل نبوت کے نہیں ہے بلکہ یہ ایک کسبی چیز ہے جس طرح صرف۔ نحو۔ منطق۔ ادب۔ طب پڑھ کر انسان صرفی۔ نحوی۔ منطقی۔ ادیب۔ طبیب کہا جا سکتا ہے اسی طرح علوم آلیہ کے پڑھنے کے بعد علم فقہ۔ تفسیر۔ حدیث۔ اصول حدیث۔ اصول فقہ پڑھنے کے بعد ایک عالم مجتہد ہو سکتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے تفہیمات میں ایک اور لطیف بات ارشاد فرمائی ہے: میرے دل میں ایک خیال ڈالا گیا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے مذہب امت میں سب سے زیادہ مشہور ہیں، سب سے زیادہ پیرو بھی انہی دونوں کے پائے جاتے ہیں اور تصنیفات بھی انہی مذاہب کی زیادہ ہیں۔ فقہاء۔ محدثین۔ مفسرین۔ متکلمین اور صوفیہ زیادہ تر مذہب شافعی کے پیرو ہیں۔ اور حکومتیں اور عوام زیادہ تر مذہب حنفی کے پیرو ہیں۔ اس وقت جو امر حق ملاء اعلیٰ کے علوم سے مطابقت رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں کو ایک مذہب کی طرح کر دیا جائے۔ ان دونوں کے مسائل کو حدیث کے مجموعوں سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے جو کچھ ان کے موافق ہو وہ باقی رکھا جائے اور جس کی کوئی اصل نہ ملے اسے ساقط کر دیا جائے۔ پھر جو چیزیں تنقید کے بعد ثابت نکلیں اگر وہ دونوں مذہبوں میں متفق علیہ ہوں تو وہ اس لائق ہیں کہ انھیں دانتوں سے پکڑ لیا جائے اور اگر ان دونوں کے درمیان اختلاف ہو تو مسئلہ میں دونوں قول تسلیم کئے جائیں اور دونوں پر عمل کرنے کو صحیح قرار دیا جائے۔ یا تو ان کی حیثیت

منتسب بہ مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تیسری صدی کے بعد نہ رہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجتہد جب ہی ہوسکتا ہے جب وہ بلند پایہ محدث بھی ہو اور حنفی علماء حدیث میں پہلے بھی اور اب بھی کم مشغول رہے۔ اس مذہب میں مجتہد فی المذہب ہی ہوئے ہیں

پھر حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔

امام شافعی کے مذہب کا یہ حال ہے کہ اس میں مجتہد مطلق اور مجتہد فی المذہب اصولی اہل کلام۔ قرآن کے مفسر اور حدیث کے شارح اور مذہبوں کی نسبت بہت زیادہ ہوئے ہیں اور یہ مذہب اسناد اور روایت کے لحاظ سے درست تر اور تصریحات امام کے ضبط میں قوی تر اور اقوال امام کو وجوہ اصحاب سے علیحدہ کرنے میں نہایت سخت اور بعض اقوال و وجوہ کو بعض پر ترجیح دینے میں سب سے زیادہ ہے۔

ان تصریحات کے بعد قبل اس کے کہ ہم کوئی نتیجہ واضح پیش کریں انھیں علماء کے فیصلہ پر غور کرنا چاہئے کہ کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا۔ مولانا عبدالعلی بحرالعلوم شرح مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں:۔

ان من الناس من حکم بوجوب الخلو من بعد العلامة النسفی واختتم الاجتہاد یہ دعنوا الاجتہاد فی المذہب واما الاجتہاد المطلق فقالوا اختتم بالائمة الاربعة حتی اوجبوا التقلید ہولاء علی الامة وہذا کلہ ہوس من ہوساتہم لم یاتو بدلیل ولا یعبأ بکلامہم۔

بعض لوگ قطعی طور پر یہ کہتے ہیں کہ نسفی کے بعد اجتہاد فی المذہب ختم ہوگیا اور مطلق اجتہاد تو ائمہ اربعہ کے بعد سے ختم ہے اس لئے امت کو ان ائمہ کی تقلید واجب ہے اس قسم کے اقوال محض بے دلیل ہوسات ہیں جن پر وہ کوئی دلیل پیش نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کے کلام پر توجہ نہ کرنی چاہئے۔

فائدہ = میزان کبریٰ شعرانی و نزہة الخاطر حضرت ملا علی قاری نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کو بھی مجتہد تسلیم کیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

فیما یظن فیمن کان موافقاً لشیخہ فی اکثر المسائل لکنہ یعرف لکل حکم دلیلا

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جو شخص اپنے امام کا اکثر مسائل میں موافق ہو اور ان مسائل کے دلائل بھی

و لحاظ سے بہت سی ضرورتیں پیدا ہوتی گئیں جن کی وجہ سے اجتہاد کی ضرورت پیش آئی۔ جس کی ایک مثال یہ ہے ـــ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں شہادت کے اظہار کا طریقہ بالکل سادہ تھا۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں گواہوں کو الگ الگ بلا کر اظہار لیا تاکہ ایک کو دوسرے کے بیان سے واقفیت نہ ہو اس کے بعد فرمایا:

انا اوّل من فرّق بین الشاہدین۔ میں پہلا شخص ہوں جس نے دو گواہوں کو الگ کرکے اظہار لیا۔ الطرق الحکمیہ صفحہ ۶۰۔

اِس زمانہ میں مدّعی۔ مدعا علیہ اور گواہ سب سے حلف لیا جاتا ہے۔ لیکن اسلام میں بظاہر مدّعی اور گواہوں سے حلف لینے کا کوئی حکم نہیں ہے۔ قاضی شریح کے زمانۂ قضاء میں جب لوگوں نے بدمعاملگی شروع کی تو باوجود گواہ پیش کرنے کے انھوں نے مدّعی سے حلف لیا۔ لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ نئی بدعت کیسی، تو فرمایا لوگوں نے بدعت پیدا کی تو میں نے بھی بدعت کو پیدا کیا۔ الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۲۸۔ قاضی محمد بن بشیر نے ایک ترکہ کے معاملہ میں گواہوں سے حلف لے کر اظہار لیا اور فرمایا چونکہ لوگوں کی اخلاقی حالت خراب ہوگئی، اس لئے اب میری رائے میں حاکم کو گواہوں سے بھی حلف لینا چاہئے۔ اس دور میں آہستہ آہستہ سیاست بھی سابقہ اصولوں سے الگ ہوتی گئی۔

چوتھا دور اُن ائمہ عظام کا ہے جن کے فیوض و برکات سے فقہ نے ایک مستقل علم کی شکل اختیار کی اور ان اکابرین نے اجتہاد کا راستہ امت کے لئے کھولا۔ تمام تکلیفات شرعیہ کی بنیاد دو لفظوں پر ہے "کرو" اور "نہ کرو" جن کا نام امر اور نہی ہے۔ ان حضرات نے غیر معمولی کاوش فکر سے اس کی وضاحت کی ہے کہ قرآن و حدیث میں جس چیز کا حکم دیا گیا ہے وہ فرض اور جس کی ممانعت کی گئی ہے وہ کیا حرام ہوگی؟۔ یا حالات کے لحاظ سے دوسرے معنی کا بھی احتمال ہوسکتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب الام جلد ۵ صفحہ ۱۲۷ میں بڑی نفیس بحث فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں قرآن و حدیث اور عام لوگوں کے کلام میں "امر" کے متعدد معانی ہو سکتے ہیں مثلاً وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا۔ جب تم نے حج کا احرام کھول دیا تو شکار کھیلو۔ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا

ایسی ہوگی جیسے قرآن میں اختلاف قرأت کی حیثیت ہے یا رخصت و عزیمت کی حیثیت ہوگی مخمصہ سے نکلنے کی دو راستوں کی نوعیت ہوگی جیسے تعدد کفارات یا دو برابر کے مباح طریقوں کا سا حال ہوگا ان چار پہلوؤں کے باہر کوئی پہلو انشاء اللہ نہ پایا جائیگا۔

اِنْ تمام زمانوں پر تبصرہ

عہد نبوی کے متعلق پہلے ہی مفصّل عرض کر دیا گیا۔ صرف دو باتیں قابل لحاظ ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے یکجائی فیصلوں کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ، امام مرغینانی و امام محمد بن فرج المالکی نے یکجا جمع کر دیا ہے۔ علّامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے زاد المعاد میں بڑی کاوش و تحقیق سے احکام و مضمون کو مرتب فرمایا ہے۔ تاہم اس مبحث پر اُردو میں ایک جامع کتاب مرتب کی جاسکتی ہے، جس کی ضرورت ہے۔

اسی طرح احکام القرآن کو علمائے سابقین نے یکجا جمع کیا ہے اور ہر تبع مذہب نے اپنے مذہب کی حمایت میں بحد امکان سعی بلیغ فرمائی ہے۔ یہ مبحث بھی ایسا ہے کہ جس پر اُردو میں مکمل کتاب مرتب کی جائے عہد خلفائے راشدین کی فقہ کی تفصیل بھی کی جا چکی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء میں عہد فاروقی کے فیصلوں کو فقہی ترتیب سے جمع فرما دیا ہے۔ تاہم آجکل جب کتب حدیث علاوہ صحاح ستہ کے اکثر و بیشتر طبع ہو چکی ہیں جیسے مسند امام احمد۔ مسند ابو عوانہ۔ مسند ابو داؤد طیالسی۔ سنن دارقطنی۔ مستدرک حاکم۔ طبرانی۔ سنن بیہقی۔ دارمی۔ طحاوی۔ تو صحابہ کرام کے فیصلے بھی کاوش فکر سے مرتب ہوسکتے ہیں۔ قرن ثالث کے فقہ کے متعلق خاص بات یہ ہے کہ اس دور میں وہ حزم و احتیاط جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر تھا نہ رہا۔ اور اختلاف روایات و اقوال سے فقہاء اجل کو دشواریاں ضرور پیدا ہوئیں، مگر ایسی نہ تھیں جن پر قابو نہ پایا جاسکے۔ چنانچہ جب ہی سے اصول وضع ہونا شروع ہوئے اور یہ اصول ہر دور میں سخت سے سخت تر ہوتے گئے۔ علاوہ ازیں عہد نبوی و خلفائے راشدین کے دور سے جس قدر بعد ہوتا گیا اور حالات بھی بدلتے گئے۔ اُسی نہج

حضرت امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد، امام اسحٰق، امام طبری رحمہم اللہ نے اپنے اسلاف کے متعلق برملا فرمایا تھا کہ "وہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی آدمی ہیں" اور یہ کہ "کوئی شخص ایسا نہیں جس کا قول ردّ و قبول کے قابل نہ ہو بجز حضور علیہ السلام کے۔ لیکن ان حضرات کے بعد پھر اس حرّیتِ فکر کا چراغ ٹمٹمانے لگا"۔

اس میں شک نہیں کہ گذشتہ زمانہ میں مجتہد اور ان کے متبع وہ تھے۔ مجتہد وہ فقہا تھے جو کتاب و سنّت کو سمجھ کر اور ان کے ظواہر نصوص سے استنباط احکام فرماتے تھے ——— متبع وہ تھے جو اپنے شہر کے فقہا سے رجوع کرتے تھے۔ لیکن اس پانچویں دور میں روح تقلید سرایت کر گئی اور علما تک اس میں شریک ہو گئے۔ پہلے علما قرآن و حدیث و آثار صحابہ و فتاوے تابعین سے باخبر ہوتے تھے، لیکن اس دور میں ایک معیّن امام کی کتابیں پڑھنے لگے اور یہ قاعدہ بنالیا گیا کہ اپنے امام کے فتوے کے خلاف عمل نہیں کیا جاسکتا۔ گویا حق صرف ایک ہی امام کے دل و زبان پر اُترا ہی حالانکہ ائمہ کرام کے اقوال اس بارے میں متفق ہیں

کہ جب کوئی صحیح روایت موجود ہو اور ہمارا قول اس کے خلاف ہو تو ہمارے قول کو دیوار پر مارو اور حضور علیہ السلام کے ارشاد کی تعمیل کرو۔

ایسے علما جب امراء کے دربار میں پہنچے اور امراء اُن سے متاثر ہوئے تو وہی مذہب حکومت کا مذہب ہوگیا۔ چنانچہ بلادِ مشرق میں محمد بن سبکتگین اور نظام الملک نے، اور مصر میں صلاح الدین یوسف بن ایوب نے اور حجاز کے امراء نے شافعی مذہب کی تائید کی اور حنفی مذہب کی ترکی و افغانستان نے کی۔

یہ صحیح ہے کہ اس دور میں بڑے بڑے فقہا موجود تھے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اصول تشریع کے علم اور طریقۂ استنباط میں وہ اسلاف سے کم نہ تھے۔ لیکن ان میں وہ آزادی نہ تھی جو اسلاف میں تھی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کو استنباط میں یہ آزادی تھی کہ اگر آج وہ ایک رائے ظاہر کرتے تھے اور دوسرے دن جب کوئی صحیح دلیل اور مل جاتی تھی جو سابقہ رائے میں تغیر چاہتی تھی تو وہ

فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ۔ جب جمعہ کی نماز پڑھ چکو یا وہ ادا ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور خدا کے فضل کو تلاش کرو۔ خدا نے پہلے محرم پر شکار کرنا حرام کیا اور اذان جمعہ کے عین ساتھ ساتھ بیع و شری کی ممانعت فرمائی۔ پھر ان اوقات کے علاوہ جن میں ان دونوں کو حرام کیا تھا ان دونوں کو مباح کر دیا۔ یا وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِہِنَّ نِحْلَۃً فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْہُ نَفْسًا فَکُلُوْہُ ھَنِیْٓئًا مَّرِیْٓئًا۔ عورتوں کو ان کے مہر ادا کرو۔ اگر وہ ان میں سے کچھ بخوشی چھوڑ دیں تو اس کو مزہ سے کھاؤ۔ یا فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُھَا فَکُلُوْا مِنْھَا۔ جب قربانیاں ذبح ہو چکیں تو ان میں سے کھاؤ۔ لیکن ان آیات میں احرام کھولنے کے بعد شکار کھیلنا۔ نماز جمعہ کے بعد تجارت کے لئے منتشر ہو جانا۔ اگر عورت بخوشی مہر کا کوئی حصہ چھوڑ دے تو اس سے فائدہ اٹھانا اور ذبح ہونے کے بعد قربانی کا گوشت کھانا واجب اور فرض نہیں ہے۔ یا وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ۔ اپنی بیواؤں اور اپنے نیک لوگوں کا نکاح کر۔ یہ احتمال ہے کہ نکاح کے ذریعہ سے ان لوگوں کی جو بھلائی متصور ہے اس کی ترغیب ہو۔ اس لئے بعض اہل علم کا قول ہے کہ جبتک قرآن و حدیث یا اجماع و تعامل سے یہ نہ ثابت ہو کہ امر سے قطعیت مراد ہے۔ تمام امر کے معنی اباحت اور بھلائی کا راستہ بتانا متصور ہوگا۔

شریعت کے اوامر و نواہی سے استنباط احکام میں فقہائے کرام میں اختلاف تھا۔ بعض اس کو فرض و تحریم پر باقی رکھتے تھے اور بعض اس کو فرضیت و تحریم سے نکال کر استحباب و کراہت پر محمول کرتے تھے اور بعض ہدایت و ارشاد کے معنی مراد لیتے تھے۔ بہر نوع جس نے فقہائے اربعہ و دیگر فقہا کے اقوال پر نظر غائر ڈالی ہے اس کو اس کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔

ان فقہا کا وجود رحمت تھا جن کی بدولت عالم اسلام میں طریقۂ استنباط و اجتہاد جاری ہوا۔

پانچواں دور۔ اس دور میں اگرچہ ممالک اسلامیہ کے سیاسی تعلقات بالکل منقطع ہو گئے تھے لیکن علمی حالات نے برابر ترقی کی اور بلاد اسلامیہ میں بڑے بڑے علماء اور صاحب نقد و نظر پیدا ہوئے مگر فقہ میں استقلال و اجتہاد کی جو روح تھی وہ اس سیاسی ضعف کی وجہ سے ضعیف ہو گئی۔

اس چھٹے دور میں بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس دور کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ عوام تو عوام، علماء کے نفوس میں تقلید محض کی روح جاگزیں ہو گئی۔ باستثنار چند، ایسے علماء بہت ہیں جو رتبۂ اجتہاد کو نہ پہنچ سکے۔ بلکہ مذہب معین کے تابع رہ گئے اور اس اعلان پر مجبوری ہوئی کہ کسی فقیہہ کے لئے اختیار و ترجیح تک جائز نہیں اس کا زمانہ گذر گیا۔ اور قدما کی کتابوں میں اور ہم میں ایک دیوار حائل ہو گئی۔ حالانکہ اسکی بھی چند موانع یا اسباب ہیں۔

۱۔ اسلامی شہروں کے علماء کے تعلقات کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

گذشتہ پانچ دوروں میں کوئی فقیہہ اُس وقت یہ لقب حاصل کر سکتا تھا جب وہ اپنے شہر کے علماء کے علاوہ سفر کرکے اور شہروں کے علماء سے کسب علم یا استفادہ کرتا اور باہمی مذاکرات سے وہ خود بھی مطمئن ہو جاتا۔ چنانچہ بڑے بڑے ائمہ۔ مجتہدین۔ محدثین اور فقہا کا یہی مسلک رہا زمانۂ حج میں ان لوگوں کا اکثر و بیشتر اجتماع مکہ مکرمہ میں ہوتا رہتا تھا اور ہر ایک کے پاس تفسیر حدیث۔ فقہ۔ آثار صحابہ و تابعین کا جو ذخیرہ ہوتا تھا اس سے باہمی مفاد حاصل کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے کے ان علماء میں ایک دوسرے کی علمی صلاحیت کا کامل اندازہ ہو جاتا تھا۔ اور باوجود مشکلات سفر اور ذرائع حمل و نقل کی دشواریوں کے یہ لوگ آپس میں ملتے تھے۔ ان کے تعلقات محبت کے ساتھ استوار تھے۔ لیکن اس آخری دور میں یہ تعلقات منقطع ہو گئے سب سے زیادہ درد انگیز بات یہ ہے کہ زمانۂ حج میں مختلف ممالک کے علماء اب سفر کی سہولتوں کی وجہ سے بکثرت جمع ہوتے ہیں لیکن اس کی مطلق پرواہ نہیں ہوتی کہ باہمی تعارف اور مذاکرات علمی کے لئے کوئی راستہ اختیار کیا جاتا۔ نہ آج سلسلۂ سند و روایت کی جانب توجہ رہی صرف یہ تو کافی نہیں کہ کسی عالم کی کتاب سے فائدہ اُٹھا لیا جائے۔ کتاب کتاب ہے اور باہمی مذاکرات علمی سے اصابت رائے، دقت نظر اور تبحر پیدا ہوتے ہیں۔

دوسرا سبب۔ ہم میں اور ائمہ سابقین کی کتابوں سے کوئی رابطہ نہ رہا۔ اس دور میں صرف ان کتابوں پر اکتفا کر لیا گیا جو آخری زمانہ میں اور تنزل علمی کے دور میں مرتب کی گئیں۔

فوراً اپنی رائے بدل دیتے تھے۔ چنانچہ ان کے مذہب کی کتابوں میں قول قدیم اور قول جدید مفصّل درج ہیں۔ اسی طرح اسلاف کرام کا، صحابہ و تابعین کا یہی حال تھا۔ لیکن اس دور میں جمود و تعطّل کا آغاز ہوا اور زمانۂ سلف میں جس قدر بے تعصبی تھی اتنی ہی اس دور میں علماء نے اپنے ائمہ کی حمایت اور مدافعت پر زور لگایا اور پھر امراء کے دربار میں ان سے مناظرہ کا مطالبہ ہوا۔ ہر مذہب والا جن مسائل کی حمایت یا مدافعت کرنے میں برسرپیکار ہوتا وہ دوسرے مذہب کو "خصم" کے لفظ سے تعبیر کرتا۔ اس طرح اس دشمنی اور تعصّب کا سلسلہ باہمی کشمکش سے عوام میں پھیل گیا اور حنفی نے شافعی کے پیچھے اور شافعی نے حنفی کے پیچھے نماز پڑھنے سے احتیاط شروع کیا اور یہ خلیج اتنی بڑھی کہ باہمی بغض و عناد کا سبب بن گئی۔ بایں ہمہ فقہائے احناف و شوافع میں ایسے مقتدر فقہا ضرور ہوئے جن کی امامت و تفقّہ کے برکات سے آج بھی ساری دنیا مستفید ہے۔

چھٹا دور۔ اس دور کے تبصرہ کے بعد نتیجۂ بحث ہے، جس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ آج امتدادِ زمانہ و تغیرِ احوال کی وجہ سے مسلم حکومتوں کو جن اہم باتوں کی ضرورت ہے کیا مذہب میں اب اجتہاد ہو سکتا ہے، جس کی وجہ سے نظام حکومت چل سکے یا چلایا جا سکے یا یہ دروازہ قیامت تک کے لئے مسدود ہو گیا۔ اور کیا مسلم حکومتیں غیر مذاہب کی اقتدا کی محتاج ہیں۔

پہلے دور میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام قرآن اور اپنے ارشادات سے لوگوں کو رشد و ہدایت کی تعلیم دیتے تھے، دوسرے و تیسرے دور میں صحابۂ کرام اور تابعین۔ قرآن و حدیث اور رائے صحیح سے استنباط کے طریقے بتاتے تھے۔ چوتھے دور میں جبکہ کبار فقہا و ائمہ اعلام پیدا ہوئے، انھوں نے احکام شریعت کو مفصّل طور پر واضح کیا۔ قرآن و حدیث سمجھنے کے بہترین طریقے وضع فرمائے اور استنباط احکام کے اصول و قواعد نافذ کئے۔ پانچویں دور میں اگرچہ باہمی نزاع بڑھ چکا تھا لیکن پھر بھی ترتیب، تہذیب، اختیار و ترجیح و تفریعات کا دور تھا

بہ ذیل تذکرہ قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرمایا ہے

وقال یحییٰ بن یحییٰ التمیمی سمعت ابایوسف یقول عند وفاتہ کل ما افتیت بہ فقد رجعت عنہ الا ما وافق الکتاب والسنۃ وفی لفظ الا ما فی القرآن واجتمع علیہ المسلمون ۔ وروی عباس عن ابن معین قال ابویوسف صاحب حدیث وصاحب سنۃ ۔	۔یحییٰ بن یحییٰ تمیمی نے کہا میں نے امام ابویوسف رحمہ اللہ سے سنا ہے کہ وہ وفات کے وقت فرماتے تھے کہ میں نے جن باتوں کا فتویٰ دیا ہے میں نے ان سے رجوع کرلیا ہے ۔ صرف میرے وہ فتاوے جو قرآن وحدیث کے موافق ہیں اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جو قرآن کے مطابق اور مسلمانوں کے اجماع کے موافق ہیں ۔عباس نے روایت کیا ہے کہ یحییٰ بن معین فرماتے تھے کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ صاحب حدیث وتبع سنت ہے۔

امام ابوحنیفہ وامام شافعی رحمہما اللہ تو ان کی باعظمت شخصیتیں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جب حضور انور علیہ السلام کی ذات گرامی سے لاکھوں جھوٹی حدیثیں منسوب ہوں، صحابہ وتابعین سے منسوب ہوں ۔ یہاں تک کہ امام احمد بن حنبل و امام یحییٰ بن معین مسجد میں موجود اور وہاں ایک واعظ انھیں دونوں کے واسطے سے جھوٹی روایتیں انھیں کے سامنے بیان کر رہا ہے اور یہ انکار کر رہے ہیں اور وہ اُلٹا انھیں کا مذاق اُڑا رہا ہو ۔ پھر وہاں امام ابوحنیفہ وامام شافعی یا صاحبین کا بچنا دشوار تھا ۔ محدثین نے تو فن حدیث و روایت کے لئے "سند" کا ہونا شرط اوّلین قرار دیا اور پھر سند کی صحت وضعف کے جو اصول مقرر کئے ان کی بدولت آج حدیث کی صحت پر بحث ہوسکتی ہے ۔ لیکن فقہ کا یہ دفتر بے پایاں اس قسم کی تحقیق وتدقیق سے مبرّا سمجھا جاتا ہے ۔ حقیقت ہے کہ ایسی موضوع باتیں ہر علم وفن میں ہوئی ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو منسوبات ہیں اگر ان کو کتاب الام میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی جانب جو باتیں منسوب کی جاتی ہیں، ان میں اکثر بالکل غلط اور افترا ہیں ۔ پھر

ائمہ اعلام کی کتابوں کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا، نہ ان کا درس ہے نہ مطالعہ۔ حالانکہ وہی کتابیں عزم راسخ، ہمّت بلند، دِقّتِ نظر پیدا کرتی ہیں۔ بلکہ آج تو ان کے ناموں سے بھی لوگ ناواقف ہیں۔ اس بناء پر ہمارے اور ہمارے اسلاف کے علوم کے درمیان تاریکیوں کا پردہ پڑگیا وہی متداول اور درسی کتابیں ہیں جو نہ پیاس بجھاتی ہیں، نہ مرض سے شفا دیتی ہیں۔ موجودہ زمانہ کا ایک طالب علم کہہ سکتا ہے کہ جب ہم تقلید کے حدود پر آکر ٹھہر گئے تو اب اس کے آگے بڑھنے کی گنجائش ہی نہیں۔ اور ایک فقیہہ کتنا ہی بلند خیال ہو جائے لیکن اس کے امکان میں یہ نہیں ہے کہ اپنے کسی امام کی مخالفت کرے یا مذہب کے دو قولوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دے چونکہ ترجیح کا زمانہ بھی ختم ہوگیا۔ اس لئے اب دلائل پر غور و فکر اور ائمہ مجتہدین کے ماخذ اور ان کی استنباط کی واقفیت سے کیا فائدہ ہے۔ یہی تباہی کا راز ہے اور یہیں سے جمود و تعطل پیدا ہوتا ہے۔
ظاہر ہے کہ جب علوم دینی کی تکمیل کی جاتی ہے تو اس کی غرض یہ ہونی چاہئے کہ ایک عالم مذہب قرآن کے شان نزول، اس کے لغات، ناسخ و منسوخ، تدریج احکام سے باخبر بنے۔ اس کو فن حدیث پر عبور ہو۔ اسماء الرّجال سے واقفیت ہو، اصول حدیث سے باخبر ہو، ترجیح روایات ناسخ و منسوخ میں غور کر چکا ہو۔ ائمہ اربعہ و دیگر ائمہ کی کتابوں پر نظر غائر ہو، اور پھر وہ علم "علم" ہوگا، ورنہ مروّجہ درسی کتابیں پڑھ کر دستار فضیلت باندھ کر یہی روش ہوگی جو آج نمایاں ہے۔
اس دور میں بہت بڑا عالم وہ سمجھا جاتا ہے جس کی نظر جزئیات فقہ پر ہو اور موقع و ضرورت کے لحاظ سے حیلوں کا استعمال جانتا ہو۔ حالانکہ ایسی غیر ضروری باتیں یا ناممکن الوقوع مسائل جو قطعاً بے دلیل اور بغیر معتبر سند کے ائمہ کرام کی جانب منسوب کئے گئے ہیں، بیان سے باہر ہیں۔
بے تکلف لکھ دیا جاتا ہے کذا عند الشافعی و کذا عند ابی حنیفۃ بظاہر تو یہ مقصد ہوتا ہے کہ ائمہ کی کسی قرارداد اصل کی بناء پر یہ تفریع ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ تفریع خود متاخرین کی ساختہ ہوتی ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ و امام ابویوسف و امام شافعی رحمہم اللہ کا دامن تقدس اس قسم کے تصوّرات سے بھی منزّہ تھا۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ جلد ا صفحہ ۲۶۹ میں

غیر مبتدل ہیں) کی تعمیل سے حاصل ہوسکتی ہے۔ جو پیام امن ورحمت وسکون وعدل ہیں
اسلام ہی نے مساوات کے قانون کو نمایاں کیا "کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہوسکتی
مگر عمل صالح کی بدولت" اس کی نظر میں غیر مسلم کی جان و مال، عزّت وناموس کی حفاظت،
بالکل اسی طرح فرض ہے جس طرح مسلم کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذمیوں کے جو حقوق مقرّر
فرمائے ہیں اور جن کا تذکرہ فقہ بعہد فاروقی مفصّل پیش کیا گیا ہے ان کا جواب آج بھی اس دنیا
میں کوئی قوم کوئی ملک پیش کرنے سے قاصر ہے۔ بظاہر جزیہ اور خراج کے الفاظ کھٹکتے ہیں
لیکن اگر غور کیا جائے تو مسلم سے زکوٰۃ۔ عشر۔ صدقات سب قابل وصول ہیں اور غیر قوم کو
صرف معمولی رقم جزیہ ادا کر دینے کے بعد وہی حقوق حاصل ہو جاتے ہیں جن کا تذکرہ ہو چکا ہے
لیکن اگر لفظی امتیاز ہی ناگوار ہو تو اس کے مقابلہ میں مسلمانوں میں بھی باہمی امتیاز ہے۔ ایک مسلم صالح
دوسرا فاسق۔ ایک کی شہادت معتبر اور دوسرے کی غیر معتبر۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ السّلام کی حیات طیبہ میں بیشتر واقعات پیش تو نہیں آئے۔ لیکن
حضور انور نے خود ایک اصول وضع فرما دیا کہ کتاب اللہ کو دیکھو پھر سنّت رسول اللہ پر غور کرو۔
اگر ان میں کوئی مسئلہ نہ ملے تو پھر اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔ چنانچہ خلفائے راشدین میں سے
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تفقّہ ممتاز ونمایاں تھا۔ چونکہ فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوتا جارہا تھا۔
بعض صوبوں سے سوالات ہوتے رہتے تھے اس لئے آپ غیر مصرّحہ احکام کے استنباط
میں صحابہ سے بحث ومشورہ بھی فرماتے رہتے تھے اور خود بھی احکام صادر فرما دیا کرتے تھے
آپ نہ صرف شرعی بلکہ اقتصادی مقتضیات وقت وحالات کے لحاظ سے فیصلے فرماتے اور وہ فیصلے
ہمیشہ کے لئے شمع ہدایت ہیں۔ جن سے دنیا کی قوموں کی ترقّی کا راز وابستہ ہے۔ آپ کا
یہ طریقۂ کار گویا تخم صالح کی تخم ریزی تھی جس کے برگ وبار بڑے تناور ہوتے اگر مابعد استبداد
مسلّط نہ ہو جاتا۔

خلافت راشدہ کے بعد جب بنی اُمیّہ اور بنی عباس کی حکومتیں نمودار ہوئیں تو اُس دَور میں

پھر حضرت امام کا جو طریقۂ استدلال ہے وہ کتاب الام کے مطالعے سے ہی واضح ہو سکتا ہے۔
تصوّف میں جتنی باتیں ہیں وہ سب حضرت جنید بغدادی حضرت شبلی، حضرت ذوالنون مصری۔ حضرت شیخ المشائخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہم کی جانب منسوب ہیں، لیکن اگر صفقۃ الصفوہ ـــ فتوح الغیب ۔ یا غنیۃ الطالبین کا مطالعہ کیا جائے تو یہ کتابیں ان تمام غلط منسوبات سے پاک ہیں۔ قرآن کی تفسیری روایتیں ان میں ہر بات حضرت عبداللہ بن عباس وحضرت مجاہد و عکرمہ و قتادہ کی جانب منسوب ہیں، لیکن محدثین کے اصول سے تجزیہ کیا جائے تو ایک تہائی روایتیں بدقت صحیح نکلیں گی۔

عقائد و کلام کے بیشمار محدثات و مخترعات سب حضرت امام اشعری کی جانب یا جوینی اور امام الحرمین کی طرف منسوب ہیں حالانکہ یہ موشگافیاں ان حضرات کے وہم میں بھی نہ آئی ہوں گی امام اشعری کی کتاب الابانۃ چھپ چکی ہے اس کو دیکھ لیا جائے کہ علو و استوا اور صفات کے بارے میں وہ کیا فرماتے ہیں اور متاخرین متکلمین و اشاعرہ کیا کیا فرما رہے ہیں۔ امام الحرمین کے مصنفات کے مختارات کو طبقات الشافعیہ میں دیکھئے۔ کسب کے متعلق وہ کیا فرماتے ہیں اور درسی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔ بہرحال ان سارے جزئیات غیر ضروری سے قطع نظر کر کے ہم کو اپنے اس دعوے پر غور کرنا ہے:

> "اسلام ساری دنیا کے لئے پیام امن و رحمت ہے۔ یہ مذہب قیامت تک دنیا کے لئے ایک دستور العمل لایا ہے۔ یہ مذہب کسی اور مذہب کی اصلاحات کا محتاج نہیں"

اسلام نے انفرادی مفاد کے مقابلہ میں ہر جگہ اجتماعی فوائد کو ترجیح دی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کوئی فرقہ وارانہ تحریک یا ملکی و نسلی مذہب نہیں ہے بلکہ وہ تمام نوع انسانی کی صلاح و فلاح کے لئے آیا ہے۔ نیکی کا مفہوم ہی اسلام میں تمام نوع انسانی کی بھلائی ہے اور یہ بھلائی خدا پر یقین اور اس کے قانون یعنی کتاب اللہ اور اس کے تابع احکام نبوی (جو

غیر محصور اند، و معرفت احکام الٰہی دراں واجب وانچہ مسطور و مدوّن شدہ است غیر کافی و در آنہا اختلاف بسیار کہ بدوں رجوع با دِلہ حلِّ اختلاف نتواں کرد وطرق آں تا مجتہدین غالباً منقطع پس بغیر عرض بر قواعد اجتہاد راست نیاید“

ترجمہ :۔ اور ہم نے یہ جو کہا ہے کہ اجتہاد ہر زمانہ میں فرض ہے، یہ اس لئے کہ بیشمار مسائل کثرت سے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ان کے لئے خدا کے احکام کا جاننا ضروری ہے اور یہ جو کچھ ذخیرہ مرتب و مدوّن ہؤا ہے ناکافی ہے اور ان میں بے حد اختلاف ہے اور ان اختلاف کا حل بغیر دلائل پر غور و فکر کے نکل نہیں سکتا اور ان کا سلسلۂ روایات مجتہدین تک منقطع ہے اس لحاظ سے بغیر قواعد اجتہاد کے ان کا حل صحیح نہیں ہو سکتا۔

یہ مسلّمہ ہے کہ فرائض۔ واجبات۔ وسنن تشریعی یا حرام وحلال میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی اور نہ کسی کو حق حاصل ہے۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی قابل تسلیم ہے کہ مذہب اسلام میں ترقی کی صلاحیت اور اس قسم کی لچک موجود ہے جس کی وجہ سے وہ ان تمام تمدنی وسیاسی تغیرات کے مطابق قواعد جاری کر سکتا ہے اور یہ حق بھی صرف علماء کو حاصل ہے کہ وہ زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ قوم کی ضرورتوں پر لحاظ کریں اور فی الوقت یا تو اجتہاد کریں اور مذاہب اربعہ یعنی حنفی شافعی مالکی حنبلی پر غور و فکر کرکے مقتضیات وقت کے لحاظ سے ان مذاہب میں سے بھی مسائل کو اختیار کریں جس کی فقہ میں اجازت ہے۔ مثلاً حقوق زوجین کے معاملات میں خلع وطلاق کی سہولتیں اور آسانیاں جو اگر مذہب حنفی یا مالکی میں نہ ہوں تو شافعیہ وحنابلہ کے قواعد کو اختیار کیا جائے۔ جیسا کہ ریاست بھوپال میں اعلیٰ حضرت نواب حاجی محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر نے ۱۹۳۱ء میں ایک ضابطہ از نام ضابطہ تحفظ حقوق زوجین بھوپال میں جاری کیا۔ ایک کمیٹی مقرر فرمائی جس کا میں بھی ممبر تھا۔

ضابطہ کی تمہید میں واضح کیا گیا ہے : ملک میں ایک عرصہ سے اس امر کی ضرورت

علمی و تمدنی ترقیاں ہوئیں۔ عمرانیت و تہذیب نے نیا چولا بدلا۔ اس ارتقا یا نیرنگی کے ساتھ نئے نئے واقعات بھی نئے نئے پیش آئے اور جو نئی قومیں اسلام میں داخل ہوئیں ان کی تہذیب اور ان کے خصوصی حالات و خیالات سے بھی مسلمانوں میں تغیر ہوا، اُدھر امیر حکومت مذہب سے کلیتاً واقف نہ رہے۔ انھوں نے اپنی اس ناواقفیت کو چھپانے کے لئے بعض ابنائے دنیا کی آڑ لے کر مظالم کئے مثلاً حضرت امام مالکؒ کا یہ فتویٰ تھا کہ مجبور کر کے جو طلاق لے لی جائے وہ شرعاً ناجائز ہے۔ جعفر بن سلیمان عباسی جو خلیفۂ منصور کا چچازاد بھائی اور مدینہ کا گورنر تھا اس نے حکم دیا کہ وہ یہ فتویٰ نہ دیں۔ مگر امام صاحب نے علی الاعلان اس فتویٰ کا اعادہ کیا۔ گورنر نے حکم دیا کہ حضرت امام کو ستر کوڑے مارے جائیں اور اونٹ پر بٹھا کر تشہیر کی جائے۔ آپ مدینہ کی گلیوں سے گذرتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ مجھے اچھی طرح پہچان لو میں جبر کی طلاق کا قائل نہیں ہوں۔ بات یہ تھی کہ اس انکار سے بالجبر بیعت پر اثر پڑتا تھا، اس لئے حکومت نے مذہب کے ایک مسئلہ کو آڑ بنا کر حضرت امام کو اذیت پہنچائی۔ حکمرانوں کے تغافل مذہبی کی وجہ سے علماء سابقین نے انفرادی حیثیت سے تغیر احوال کے پیش نظر فتوے دینا شروع کر دیئے اور ان کے فتاوے کی حیثیت بالکل "قواعد" کی حیثیت رہی۔ یعنی قرآن و حدیث، قانون اور فتاوے فقہا بحیثیت قواعد جن میں اپنے اپنے ملک کے رسم و رواج اور حالات کے پیش نظر احکام صادر کئے گئے۔ ان حضرات کو کبھی کوئی مشکل پیش نہیں آئی اور نہ ان کو اپنا گھر خالی نظر آیا کہ وہ دوسری قوموں سے اپنی قوم کے لئے حکومت و عدل کے قوانین کی بھیک مانگ کر اپنی شریعت کو مستحکم کرتے۔ ان کو یقین تھا کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو تا بہ قیامت دنیا اور دنیا والوں کے ہر معاملہ میں اعانت و ہدایت کر سکتا ہے، اس کے اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور وہ کبھی بند نہیں ہو سکتا۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-
مقدمہ مسویٰ صفحہ ۱۲۔

" وانکہ گفتیم اجتہاد در ہر عصر فرض ست بجہتہ آنست کہ مسائل کثیرۃ الوقوع

محکمہ ہذا کو اطلاع دیکر اپنی زوجہ مسماۃ فلاں کی شکایت کا مناسب انتظام کرے ورنہ حسب مسلک امام مالکؒ اُس کا نکاح فسخ کر دیا جائے گا۔

توضیح (۱) مسلک امام مالکؒ یہ ہے کہ اگر مفقود[۱] نے مال بقدر کفالت نان و نفقہ چھوڑا ہو تو یوم مرافعہ سے چار سال گذرنے کے بعد نکاح فسخ ہو جائے گا۔ ورنہ فوراً اطلاق ہو جائیگی

(۲) اعلان مذکورہ بالعموم جریدہ بھوپال میں یا کسی اور طریقہ سے جو محکمۂ قضا بلحاظ حالات متعلقہ مناسب سمجھے شائع کیا جائیگا۔

(۳) حسب طریقۂ بالا جو اعلانات[۲] شائع ہوں گے اُن کے مصارف بشرط امکان شخص مذکور کی جائداد سے وصول کئے جائیں گے ورنہ عورت بصورت استطاعت ادا کریگی[۳]۔ بصورت دیگر معاملہ گورنمنٹ[۴] کے سامنے پیش کر کے جریدہ میں مفت اشاعت کا انتظام کیا جائے گا۔

(۴) اگر یہ ثابت ہوگا کہ مفقود نے مال بقدر کفالت زوجہ چھوڑا ہے تو محکمۂ قضا سے زوجۂ مفقود کو تاریخ درخواست سے چار سال تک انتظار شوہر مفقود کا حکم دیا جائیگا۔

(۵) بصورت عدم ذرائع کفالت تاریخ اشاعت اشتہار آخر سے تین ماہ گذرنے کی بعد اگر پتہ شخص مذکور کا نہ معلوم ہوگا تو محکمۂ قضا سے ان زوجین میں تفریق کرا دی جائیگی۔

(۶) اگر چار[۵] سال کے انتظار کے بعد بھی شوہر کا پتہ نہ معلوم ہوگا تو محکمۂ قضائے سے حکم فسخ نکاح صادر کیا جائیگا۔

(۷) بعد صدور[۶] حکم فسخ نکاح زوجہ چار ماہ دس دن ایام عدت گذار کر نکاح ثانی کر لینے کی مجاز ہوگی۔

(۸) اگر شخص مذکور بعد فسخ نکاح و مرور ایام عدت واپس آئے اور اس عورت پر دعوی کرے تو اُس کا دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا۔

---

[۱] صعیدی حاشیہ کفایت الطالب جلد ۲ صفحہ ۷۱ و ۷۲ [۲،۳،۴] صعیدی جلد ۲ صفحہ ۷۰ [۳] قاضی خاں جلد ۱ صفحہ ۱۹۹۔
[۵] عبارت مندرجہ دفعہ (۱) توضیح نمبر ۴، ۵، ۶ کے لئے کافی ہے۔ [۶] صعیدی جلد ۲ صفحہ ۷۰

محسوس ہو رہی تھی کہ جب کبھی نزاع باہمی اختلاف طبائع یا دیگر وجوہ سے مسلمان عورتیں بدرجۂ مجبوری رشتہ نکاح سے آزادی حاصل کرنا چاہتی ہیں تو اُن کو اس میں ایسی دشواریاں پیش آتی ہیں کہ اُن کے سبب سے بسا اوقات نہ صرف ان کی بلکہ ایک جماعت کثیر کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ حالانکہ مذہب اسلام نے تمام افراد کے حقوق کا یکساں خیال رکھا ہے اور ہر ایک کی جائز و بجا خواہشات کی مساویانہ و منصفانہ رعایت کی ہے اور کبھی کسی حال میں کسی کی حق تلفی نہیں فرمائی اور اسی اصول کے مطابق فقہائے کرام نے بربنائے ضرورت و مصلحت وقت مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک پر عمل کرنے کو جائز رکھا ہے۔ چونکہ مذہب حنفی میں اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ باقتضائے ضرورت حاکم کے حکم[1] کے مطابق دیگر ائمہ[2] کے مسلک کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اس اصول کے تحت میں حالات حاضرہ اور ضروریات موجودہ کی بناء پر منظوری اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ وبلحوظی احکام شرعیہ مندرجۂ ذیل ضابطہ منظور کیا جاتا ہے:-

مختصر نام و تعلق نفاذ مع تاریخ نفاذ | دفعہ (۱) جائز ہے کہ یہ "ضابطہ" از نام تحفظ حقوق زوجین موسوم کیا جائے۔

(الف) یہ ضابطہ محکمات شرعیہ ریاست بھوپال سے متعلق ہو گا اور

(ب) فوراً نفاذ پذیر ہو گا۔

شوہر مفقود الخبر | دفعہ (۲) جب شوہر اپنے مکان سے چلا جائے اور لاپتہ ہو[3] اور اُس نے اپنی زوجہ کے نان نفقہ کا کچھ انتظام نہ کیا ہو اور زوجہ بوجہ مفقودی شوہر خود استدعا تفریق پیش کرے تو محکمۂ قضا ثبوت مفقودی[4] و عدم کفالت نان و نفقہ و عدم نشوز کے متعلق زوجۂ مفقود سے حلف لینے کے بعد تین ماہ تک تین اشتہار حسب ذیل مضمون کے شائع کریگا۔

" چونکہ فلاں شخص اتنے عرصہ سے لاپتہ ہے اور اُس نے اپنی اہلیہ مسماۃ فلاں کی خبر گیری نہیں کی نہ اُس کے نان و نفقہ کا کچھ انتظام کیا۔ لہذا وہ جلد سے جلد اپنی جائے قیام و صحیح پتہ سے

---

[1] شامی جلد نمبر ۱ صفحہ ۵۶۔ [2] شامی جلد نمبر ۲۔ [3] قاضی خاں جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۹۹۔
[4] قاضی خاں جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۹۸۔

عورت تفریق کے ساتھ مہر پانے کی مستحق ہوگی، لیکن اگر قبل نکاح مرد کے ان امراض میں مبتلا ہونے کا عورت کو علم تھا، تو عورت کو تفریق حاصل کرنیکا حق نہ ہوگا۔

تفریق بصورت نفرت زوجین | دفعہ ۶۔ اگر کسی عورت کی جانب سے اُس کے شوہر کی مجبوب[1] ہونے کی بنا پر استدعاء تفریق پیش ہو اور شوہر نکاح کے بعد مجبوب ہؤا ہو، یا قبل نکاح تھا اور عورت کو اس کا علم نہ ہؤا تھا تو ثبوت مجبوبیت پر بلا مہلت تفریق کر دیجائے گی اور مہر بھی بذمہ شوہر واجب الادا ہوگا۔ اس کے علاوہ ہر وہ عیب[2] جو باعث نفرت زوجین ہو اور اُس سے مقصد نکاح نہ حاصل ہوتا ہو، اختیار فسخ کو واجب کر دیگا۔

توضیح۔ اگر باوجود علم کے کہ شوہر مجبوب ہے، عورت نکاح پر بیان دے چکی ہو تو عورت کا حق تفریق[3] باطل ہوگا۔

قاضی کا اختیار تفریق | دفعہ ۷۔ محکمۂ قضاء کو تفریق کرانے کا اختیار ان وجوہ کے علاوہ کہ شوہر زوجہ سے ہمیشہ بدسلوکی کرتا ہے، یا اُس نے شرائط نکاح کی تکمیل نہیں کی یا زوجین باہمی رحمت و مودت نہیں رکھتے اور اس صورت میں بھی ہے کہ قبل نکاح احد الزوجین امراض لاعلاج میں مبتلا تھے۔

عورت کو طلاق مانگنے کا حق | دفعہ ۸۔ اگر زوجہ اس بناء پر استدعاء تفریق پیش کرے کہ اُس کا شوہر چار سال یا اس سے زائد مدت کی سزا پاکر قید ہوگیا ہے اور بوجہ تنگدستی و افلاس شخص مقید اپنی زوجہ کے نان و نفقہ وغیرہ کی کفالت نہیں کرسکتا تو اُس کی حالت معسر کی سی سمجھی جائے گی۔ اور اسی کے مطابق تحت احکام شرعیہ محکمہ قضاء سے ایسے زوجین کے مابین تفریق کر دیجائے گی اور زوجہ کو حسب احکام شرعیہ اجازت نکاح ثانی دیدیجائیگی۔

توضیح۔ (۱) صرف مفلسی کے عذر پر کوئی شخص اپنی زوجہ کو نفقہ دینے سے بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔ اگر وہ شخص محنت کرکے کسب معاش حاصل کرسکتا ہے اور ضعیف و نحیف نہیں ہے تو اُس کو

---

[1] ہدایہ اولین صفحہ ۴۰۱ [2] کتاب زاد المعاد جلد ثانی صفحہ ۲۳۴۔ [3] ہدایہ اولین صفحہ ۴۰۱۔

تفریق بصورت عدم ادائے نان ونفقہ دفعہ (۳) جن مستورات کے شوہر اُن کا نان ونفقہ دینے سے عاجز ہوں اور بوجہ عدم استطاعت ادا نہ کرسکتے ہوں۔ یا باوجود[1] مقدرت واستطاعت ایسا نہ کرتے ہوں، اور اُس پر اُن کا اصرار ہو تو مستورات آخر الذکر بھی نان ونفقہ سے محروم ہونیکی وجہ سے اہل عسرت شوہروں کی زوجات کے مثل سمجھی جائیں گی اور ان کی ایسی شکایت پیش ہونے پر شوہروں کو حکم ادائے نان ونفقہ میعادی سہ ماہ محکمۂ قضا سے دیا جائیگا اور یہ حکم صادر کیا جائیگا کہ بصورت عدم تعمیل فلاں تاریخ مقررہ کے بعد فیمابین اُس شوہر اور اُس کی زوجہ کے تفریق کردیجائے گی۔

توضیح۔ اس تفریق کے بعد ایسی عورت کا نکاح ثانی حسب قواعد شرعیہ ہوسکیگا۔

نان ونفقہ کی مقدار کا تعین دفعہ (۴) نان ونفقہ کی مقدار کا تعین ہر صورت میں نفقہ دہندہ[2] کی حیثیت اور ذرائع آمدنی کے لحاظ سے محکمہ قضا کریگا۔ اور آئندہ ذرائع آمدنی کی کمی بیشی پر بصورت عذر داری مقدار مقررہ میں کمی بیشی ہوسکیگی۔

تفریق بصورت امراض دفعہ (۵) اگر کسی عورت کی جانب سے اُس کے شوہر کی نسبت یہ شکایت پیش ہو کہ اُس کا شوہر عنین[3] یا مجذوم یا مبروص یا خصّی ہے اور اس بناء پر استدعاء تفریق کی جائے تو حسب قواعد شرعیہ ایک[4] سال کی علاج کے واسطے شوہر کو دیجائیگی۔ اگر اس مدت میں شوہر صحت یاب نہ ہو تو حسب استدعاء زوجہ محکمہ قضاء سے فیمابین زوجین تفریق[5] کرادیجائیگی۔

توضیح۔ (۱) بصورت بالا تفریق کے لئے شرط ہے کہ عورت اپنی درخواست تفریق میں یہ لکھدے کہ وہ اپنے زرمہر اور ایام عدت کے صرفہ سے دستبردار ہوتی ہے۔ اور اُس کا مطالبہ نہ کرے گی۔ بشرطیکہ[6] یہ امراض نکاح کے بعد پیدا ہوئے ہوں اور عورت بھی رتقاء وقرناء نہ ہو۔

(۲) اگر امراض مذکورہ مرد میں قبل نکاح تھے اور بوقت نکاح چھپائے گئی تو اس صورت میں

---

[1] منہاج مع شرح المحلی صفحہ ۷۹ و ۸۷ و صفحہ (۴) سطر (۱۰) [2] ہدایہ اولین صفحہ ۴۱۷ [3] شرح کفایت الطالب جلد ۲ صفحہ ۶۸ [4] ہدایہ اولین صفحہ ۴۰۰ [5] ہدایہ اولین صفحہ ۴۰۱ [6] صعیدی جلد نمبر ۲ صفحہ ۶۸

۱۔نتن الفرج (شرم گاہ کی بدبو) ۲۔نتن الفم (گندہ دہنی)
۳۔انخراق مجری البول ۴۔اندام نہانی کے بہنے والے زخم ۵۔بواسیر
۶۔ناسور ۷۔استحاضہ ۸۔استطلاق البول ۹۔احدالزوجین کا خنثیٰ مشکل ہونا۔
توضیح (۲)۔مذکورہ بالا صورتوں میں طرفین کو بہ تعجیل اختیار تنسیخ نکاح حاصل ہے۔ یعنی جب زوجہ و شوہر کو معلوم ہو جائے کہ ان میں سے ایک اس قسم کے کسی مرض میں بتلا ہے تو مرافعہ باستدعا تنسیخ نکاح محکمۂ قضا میں پیش ہوگا۔ لیکن لازم ہے کہ ایسا مرافعہ بہت جلد عمل میں لایا جائیگا۔ اگر تاخیر بیجا ہوگی تو گمان غالب ہوگا کہ طرفین نے اس حالت کو قبول کرلیا تھا یا حق تنسیخ سے دستبردار ہو گئے تھے۔

اس ضابطہ کو نافذ ہوئے ایک ہی سال گذرا تھا کہ ہندوستان کی مسلم ریاستوں نے اس کو قبول کرلیا اور خفیف سی ترمیم کے بعد اپنی اپنی ریاستوں میں نافذ کر دیا۔ یہ نقش اوّل تھا۔ ۱۹۴۲ء میں پھر اس ضابطہ میں ایک دفعہ بڑھائی گئی کہ اگر زوجین کے مابین اختلاف شدید ہوگیا ہو اور کوئی صورت مصالحت باقی نہ رہی ہو تو مرد و عورت کی جانب سے دو دو حکم قاضی مقرر کرے گا۔ عورت کے جو حکم ہوں گے ان کی رائے کے مطابق تفریق کرا دی جائیگی مگر عورت کو اپنے مہر سے دستبردار ہونا لازمی ہے۔ مسلم عورتوں کو اس ضابطہ سے کس قدر فائدہ پہنچا، درانحالیکہ اس ضابطہ کے نفاذ سے قبل وہ ارتداد پر مجبور ہو رہی تھیں آج زمانہ کی ضرورتوں کے لحاظ سے اس ضابطہ میں مزید ترمیم کی ضرورت ہے۔

۲۔یا حالات کے پیش نظر قربانی کا مسئلہ ہے جس کی وضاحت یہ ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قربانی واجب ہے اور امام ابویوسف و امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک بقول امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ، سنّت موکدہ ہے۔ ملاحظہ ہو ہدایہ مصطفائی صفحہ ۴۱۷۔ اس کی وضاحت یہ ہے:

الاضحیۃ واجبۃ علیٰ کل حر مسلم مقیم موسر یعنی قربانی ہر آزاد مسلم مستطیع مقیم پر

لے قاضی خاں جلد نمبر ا صفحہ ۱۸۸۔

اپنی زوجہ کے لئے نفقہ مہیا کرنا فرض ہے، بصورت دیگر عورت طلاق کی مستحق ہوگی۔

(۲) حسب ذیل صورتوں میں جو مانع رحمت ومودت[1] ہیں عورت طلاق مانگنے کی مستحق ہو جاتی ہے۔

(الف) جبکہ شوہر کا شرائط نکاح پورا کرنے سے قولاً وعملاً انکار پایا جائے۔

(ب) جب اُس کو معلق کر دے اور نفقہ نہ دے۔

(ج) جب اُس سے بھیک منگوائے۔

(د) جب کسی طرح اُس کے پاس نہ جائے۔

(ہ) جب اُس سے ایسی مزدوری کرائے جو اُس کی کسر شان یا آبروریزی کا باعث ہو۔

(و) جب وہ متعدد زوجات رکھتا ہو اور سب سے برابری وانصاف نہ کرتا ہو۔

(ز) جب وہ ہمیشہ زوجہ پر ظلم وجور کرتا ہو اور مار کر ضرر جسمانی پہونچاتا ہو۔

توضیح (۳) مذکورہ بالا صورتوں میں فیصلہ کنندہ کی رائے یا تجویز پر انحصار ہوگا اور وہ مجاز ہوگا کہ کسی ایک وجہ کو جو حقوق زوجیت کی ادائی میں مانع ہو بلحوظئ احکام شرعیہ سبب فسخ قرار دے۔

عورت کا مرد سے طلاق لینا یا مرد کا عورت کو طلاق دینا

دفعہ (۹) اگر کسی شخص کی ایسی شکایت پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ جس عورت سے اُس کا نکاح ہوا ہے وہ قبل نکاح مرض جنون یا مرض جذام۔ یا برص۔ یا امراض اندام نہانی میں مثل، قرن یا رتق کے مبتلا تھی اور شوہر کو کسی ایسے مرض کا علم نہ تھا، نہ وہ اس[2] پر رضامند تھا، تو بصورت طلاق، شوہر پر حسب مسلک امام مالک رح صرف ایک ربع دینار عائد ہوگا، بقیہ مہر ساقط ہوگا۔

توضیح (۱) امام احمد رح کے بعض شاگردوں نے زن وشوہر کے چند دیگر امراض کو بھی ان ہی امراض میں شامل کیا ہے، جن کے سبب سے مرد زوجہ کو طلاق دے سکتا ہے یا زوجہ مرد سے طلاق لے سکتی ہے، اور وہ امراض حسب ذیل ہیں۔

---

[1] کتاب زاد المعاد جلد ثانی صفحہ ۲۳۴　　[2] رسالہ ابن زید متن کفایت الطالب بر حاشیہ صعیدی جلد ۲ صفحہ ۶۷

شافعی، مالکی، حنبلی مذہب میں قربانی کا درجہ اور اس کی وضاحت

یہ تینوں مذاہب قربانی کو مسنون سمجھتے ہیں۔ ان کی دلیل صحیح مسلم صفحہ ۱۶۰ جلد ۲ کی یہ روایت ہے

عن سعید بن المسیب عن ام سلمہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا رایتم ہلال ذی الحجۃ واراد احدکم ان یضحی فلیمسک عن شعرہ واظفارہ۔

جب تم ذی الحجۃ کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے جس کا ارادہ قربانی کرنے کا ہو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کٹائے۔

دوسری روایت

ثلاث ہن علیٰ فرائض وہن لکم تطوع ۔ الوتر والنحر والاضحیٰ۔

تین باتیں مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے لئے مسنون (یا نفل) ہے۔ وتر۔ قربانی اور نمازِ چاشت۔

تیسری دلیل تلخیص الحبیر حافظ ابن حجر عسقلانی صفحہ ۳۸۶ مطبوعہ فاروقی

حدیث ابی بکر وعمر انہما کان لا یضحیان مخافۃ ان یعتقد الناس وجوبہا ذکرہ الشافعی بلاغاً والبیہقی من حدیث ابی شریحۃ الغفاری قال ادرکت ابابکر وعمر لا یضحیان کراہۃ ان یقتدی بہما وہو فی تاریخ ابن ابی خیثمۃ وکتاب الضحایا لابن ابی الدنیا وروی مثل ذٰلک عن ابن عباس وابی مسعود البدری وہو فی سنن سعید بن منصور بسند صحیح۔

یعنی حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما اس لئے قربانی نہیں کرتے تھے تاکہ لوگ اس کو واجب سمجھ لیں۔ امام شافعی نے اس کا بلاغاً ذکرہ کیا ہے اور امام بیہقی نے حضرت ابوشریحۃ الغفاری سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور دیکھے یہ دونوں حضرات اس وجہ سے قربانی نہیں کرتے تھے کہ لوگ اس کو واجب سمجھ کر آپ کی اقتدا کرنے لگیں اور ایسا ہی حضرت ابن عباس اور ابومسعود بدری سے بسند صحیح مروی ہے۔

صاحب ہدایہ نے یہ لکھا تھا کہ حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما نے بحالت سفر ایسا کیا تھا، اس کا جواب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ صفحہ ۳۲۵ پر دیتے ہیں:۔

لم اجدہ بل صح عنہما انہما کان لا یضحیان

یعنی یہ قول کہ سفر میں ایسا ہوا اس کی روایت مجھ کو نہ مل سکی

في يوم الاضحى عن نفسه وعن ولده الصغار
اما الواجب فقول ابي حنيفة ومحمد و زفر
والحسن واحدى الروايتين عن ابي يوسف
وعنه انها سنة ذكره في الجوامع وهو قول الشافعي
وذكر الطحاوي ان على قول ابي حنيفة واجبة
وعلى قول ابي يوسف ومحمد سنة موكدة وهكذا
ذكر المشائخ الاختلاف

قربانی کے دن واجب ہے۔ وجوب کا قول
امام ابوحنیفہ۔ امام محمد۔ امام زفر و حسن کا ہے اور
جوامع میں امام ابویوسف نے اس کو سنت فرمایا ہے
اور یہی قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور طحاوی
نے یہ بیان کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ اس کو واجب قرار
دیتے ہیں اور امام ابویوسف امام محمد رحمہما اللہ اس کو
سنت مؤکدہ قرار دیتے ہیں۔ اور اسی طرح مشائخ نے اختلاف بیان کیا ہے

اس کے وجوب کی حیثیت کی وضاحت ردمحتار شرح درمختار جلد ۵ صفحہ ۲۷۳ میں یہ ہے:

ثم ان الواجب على مراتب كما قال القدوري
بعضها آكد من بعض فوجوب سجدة التلاوة
آكد من وجوب صدقة الفطر ووجوبها آكد
من وجوب الاضحية

یعنی واجب کے کئی درجے ہیں جیسا کہ قدوری نے کہا
ہے بعض کی حیثیت بعض سے زیادہ ہے۔ سجدۂ تلاوت
کا وجوب صدقۂ فطر کے وجوب سے زیادہ ہے اور صدقۂ فطر
کا درجہ قربانی کے وجوب سے زیادہ ہے۔

بہرحال حنفی مذہب میں قربانی واجب ہے اور دلیل وجوب یہ حدیث ہے:

عن ابي هريرة رضي الله عنه ان رسول الله
صلى الله عليه وسلم قال من كان له سعة ولم يضح
فلا يقربن مصلانا۔

یعنی جس میں وسعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو ہمارے
مصلے کے قریب نہ پھٹکے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں، صفحہ ۴۲۷ -

ومثل هذا الوعيد لا يلحق بترك غير الواجب

یعنی ایسا شدید حکم (وعید) کسی امر غیر واجب کے لئے
صادر نہیں ہوسکتا۔

قربانی کے لئے بکرا بکری، بھیڑ، گائے اور اونٹ ہیں۔ بکرا بکری یا بھیڑ ہر فرد واحد کی طرف سے ہوسکتی ہے اور گائے و اونٹ میں، سات سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں۔

ہونا چاہئے ۔ ان حضرات کی دلیل وہ مشہور حدیث ہے جو کتب حدیث میں مروی ہے کہ حضور علیہ السّلام نے دو بکرے ذبح کئے ان میں سے ایک اپنے اور اپنے اہل بیت کی جانب سے اور دوسرا اپنی امت کی جانب سے ۔ دوسری روایت حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی ہے، جو ترمذی، ابن ماجہ، مسند امام احمد، مستدرک حاکم اور موطا امام مالک رحمہ اللہ میں ہے

"عطاء بن یسار نے فرمایا کہ ان سے حضرت ابو ایوب انصاری نے بیان فرمایا کہ ہم عہد نبوی میں اپنے اور اپنے گھر والوں کی جانب سے ایک بکری قربانی کرتے تھے، لیکن اب تو لوگوں نے فخر سمجھ کر ہر ایک کی طرف سے ایک ایک بکرا قربانی کا شروع کر دیا۔"

قاضی شوکانی رحمہ اللہ نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۳۵۳ میں ان روایتوں کے نقل کے بعد فرماتے ہیں

فیہ دلیل علی ان الشاۃ تجزی عن اہل البیت لان الصحابۃ کانوا یفعلون ذٰلک فی عہدہ صلی اللہ علیہ وسلم والظاہر اطلاعہ فلا ینکر علیہم۔

یعنی ان روایتوں سے ثابت ہے کہ عہد نبوی میں ایک بکرا یا بکری ایک گھر والوں کی جانب سے کافی ہے ۔ صحابہ ایسا ہی کرتے تھے اور یہ ایسا نمایاں فعل تھا جو حضور علیہ السلام کے علم میں آتا تھا اس پر آپ نے کسی کو منع نہیں فرمایا ۔

اس بناء پر امام شافعی امام احمد اور امام مالک کا یہ مذہب ہے کہ ایک گائے یا ایک بکرا یا ایک اونٹ ایک ہی گھر والوں کی جانب سے ہو سکتا ہے اور غیر افراد کے لئے ہر شخص پر ایک بکرا ہے اور گائے و اونٹ میں سات سات حصے ہیں ۔ اہل بیت اطہار میں سے صرف حضرت امام قاسم و حضرت امام ہادی کا یہ مسلک ہے کہ ایک بکرا تین اشخاص کی طرف سے ہو سکتا ہے ۔ لیکن حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک بکرا ایک ہی شخص کی جانب سے اور گائے و اونٹ میں سات شریک ہو سکتے ہیں ۔

مؤطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۲۱۶ میں امام محمد رحمہ اللہ حضرت ابو ایوب انصاری کی روایت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں :

مطلقاً احیاناً خشیۃ ان یظن وجوبہا

بلکہ صحیح طریقہ سے ان دونوں حضرات سے یہ ثابت ہے کہ یہ اس خطرہ کی وجہ سے قربانی نہیں کرتے تھے کہ لوگ اس کو واجب نہ سمجھ لیں۔

حافظ ابن حجر نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ صفحہ ۳۲۳ پر فرماتے ہیں:

وعن ابی مسعود قال انی لادع الاضحیۃ وانا من ایسرکم کراہتہ ان یعتقد الناس انہا حتم واجب اخرجہ سعید بن منصور۔

حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں باوجودیکہ میں تم میں ذی حیثیت ہوں لیکن قربانی اس لئے نہیں کرتا کہ لوگ اس کو قطعی طور پر واجب نہ سمجھنے لگیں۔

قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۳۴۲ مطبوعہ مصری میں فرماتے ہیں:

من قال ان الاضحیۃ واجبۃ بل سنتہ وہم الجمہور قال النووی قال بہذا ابوبکر وعمر وبلال وابو مسعود البدری وسعید بن المسیب وعلقمہ والاسود وعطاء و مالک واحمد وابویوسف واسحٰق وابوثور والمزنی وابن المنذر وداؤد وغیرہم انتہی وحکاہ فی البحر ایضاً عمن ذکر من الصحابۃ عن ابن مسعود وابن عباس وحکاہ ایضاً عن العترۃ والشافعی وابی یوسف ومحمدؒ قال ربیعۃ والاوزاعی وابوحنیفۃ وبعض المالکیۃ انہا واجبۃ علی الموسر۔

یعنی جن اصحاب کا یہ قول ہے کہ قربانی واجب نہیں بلکہ مسنون ہے اس میں جمہور ہیں۔ نووی نے یہی کہا ہے اور صحابہ میں حضرت ابوبکر وعمر وبلال وابومسعود بدری سعید بن المسیب علقمہ۔ اسود۔ عطاء رضی اللہ عنہم وامام مالک وامام احمد ابویوسف وامام اسحٰق۔ ابوثور۔ مزنی ابن منذر وامام داؤد ظاہری ہیں اور صاحب بحر نے صحابہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود وحضرت عبداللہ بن عباس کا بھی تذکرہ کیا ہے اور اہل بیت اطہار وامام شافعی امام ابویوسف وامام محمد بھی ہیں۔ صرف ربیعہ امام اوزاعی امام ابوحنیفہ اور بعض مالکیہ ذی حیثیت کے لئے واجب قرار دیتے ہیں۔

اور حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ حضرات یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ روایت موقوف ہی مرفوع نہیں ہے۔

قربانی کے حصص کا مسئلہ

شافعیہ۔ مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا یہ مسلک ہے کہ ایک شخص جس کے بیوی بچے ہوں وہ اپنے کل گھر والوں کی جانب سے صرف ایک بکرا قربانی کرسکتا ہے، البتہ اگر غیر لوگ ہوں تو ہر شخص کے لئے ایک ایک بکرا

اس وضاحت کے بعد قربانی کا مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ انسان حالات کے لحاظ سے جمہور صحابہؓ وائمہ ثلثہ کے ارشادات پر عمل کر سکتا ہے اور حنفی مذہب کے لحاظ سے جس شخص پر واجب ہو اُس پر حنفی عمل کر سکتا ہے۔ لیکن جو قربانیاں بطور استحباب کیجاتی ہیں اور اُن کو واجب کا درجہ دیا جاتا ہے، کاش وہی رقم مسلمانوں کے بیت المال میں جمع ہو کر غربا۔ بیوگان اور یتامیٰ کے لئے سہارا ہو سکے تو موجب اجر جزیل ہوگا۔

یا عرصہ سے یہ مسئلہ الجھا ہوا تھا کہ آیا ریڈیو کے اعلان پر رویت ہلال کے متعلق اعتماد کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ کئی سال تک بحثیں ہوتی رہیں۔ بالآخر ۳ ستمبر ۱۹۵۱ء کے الجمعیۃ میں اعلان کیا گیا کہ مراد آباد کے اجتماع ۱۸، ۱۹ اگست ۱۹۵۱ء میں ہندوستان کے ممتاز اور مشاہیر علماء نے خدا کا شکر ہے یہ فیصلہ کر ہی دیا۔

"مجلس نے بالاتفاق طے کیا کہ اگر ریڈیو کے ذریعہ آنیوالی خبر کے متعلق اطمینان ہو جائے کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دیجا رہی ہے وہاں کے علما نے چاند ہونیکی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم کر دیا ہے۔ خبر دینے والا بھی متعین ہو کہ کوئی مسلم معتمد خبر دیتا ہو تو اس اعلان پر اعتماد کر کے دوسرے مقامات میں بھی چاند ہونے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے۔ اور تمام شہروں قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعات اس کے موافق حکم کریں تو ان پر عمل کیا جانے کا یہ حکم تمام ہندوستان اور پاکستان کے لئے ہے۔"

اسی طرح اقتصادی و معاشی اعتبار سے بھی ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں روپیہ کے تبدیل کی جو نئی نئی صورتیں پیدا کی گئی ہیں مثلاً بیمہ۔ چک۔ ڈرافٹ۔ کرنسی نوٹ۔ جوائنٹ اسٹاک کمپنی۔ بینک۔ کواپریٹو سوسائٹیز ان سب کے جائز یا ناجائز ہونے پر متحدہ صورت سے مکمل فیصلہ کریں۔ دولتمند اور متموّل طبقہ ان سے متمتع ہے۔ انفرادی فتوے تو صادر ہو جاتا ہے یا سود پر سطحی بحث تو نظر آتی ہے، لیکن موجودہ اقتصادی نظام سے کلیتًا واقف ہونے کے بعد

قال محمد كان الرجل يكون محتاجاً فيذبح الشاة الواحدة ويضحي عن نفسه فيأكل ويطعم اهله فاما شاة واحدة تذبح عن اثنين او ثلثة اضحية فهذه لا تجزي ولا يجوز شاة الا عن واحد وهو قول ابي حنيفة والعامة من فقهائنا

امام محمد فرماتے ہیں یہ وہ شکل ہے کہ انسان محتاج ہو اور وہ صرف اپنی جانب سے ایک بکری کرلے اور اپنے گھروالوں کو قربانی کا گوشت کھلائے لیکن ایک بکری دو یا تین کی طرف سے قربانی نہیں کی جاسکتی اور ایک بکری صرف ایک ہی شخص کی جانب سے ہوگی اور یہی قول امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہا کا ہے۔

مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی اس کے حاشیہ پر فرماتے ہیں:

لما كان اثر ابي ايوب دالا على ان الشاة الواحدة تجزي عن الرجل واهل بيته اوله الى انه محمول على ما اذا كان الرجل محتاجاً الى اللحم او فقيرًا لا يجب عليه الاضحية فيذبح الشاة الواحدة عن نفسه ويطعم اللحم اهل بيته او يشركهم في الثواب فذلك جائز فاما الاشتراك في الشاة الواحدة في الاضحية الواجبة فلا فان الاشتراك خلاف القياس وانما جوز في البقر والابل لورود النص من طرق متكثرة انهم اشتركوا في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم في البقر والابل ولا نص في الشاة فيبقى على الاصل۔

یعنی حضرت ابوایوب انصاری کی روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک بکری آدمی اپنے اور اپنے گھروالوں کی طرف سے کرسکتا ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ نے اس کی یہ تاویل فرمائی ہے کہ یہ بات اس پر محمول ہے کہ ایک شخص گوشت کھانے کا محتاج ہو یا فقیر ہو کہ جس پر قربانی واجب نہ ہو وہ ایک بکری اپنی جانب سے کرلے اور گوشت اپنے گھروالوں کو کھلائے یا گھروالوں کو ثواب میں شریک کرلے تو یہ جائز ہے۔ لیکن واجب قربانی میں ایک بکری میں شریک کرنا جائز نہیں ہے۔ چونکہ بکری میں شرکت خلاف قیاس ہے۔ گائے و اونٹ میں شرکت جائز ہے اس لئے کہ بکثرت روایتوں سے ثابت ہے کہ عہد نبوی میں اونٹ اور گائے میں شرکت صحابہ کرتے رہے اور بکری کے لئے کوئی نص نہیں ہے اس لئے اس کا اصل حکم باقی رہا یعنی ایک بکری ایک کی جانب سے۔

یہ تمام اجزا غور طلب و حل طلب ضرور ہیں تاکہ مکمل فیصلہ ہو سکے کہ کیا کیا جائز ہے اور کیا کیا ناجائز ہے۔

بہرحال یہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ دنیا میں ہمیشہ نئے نئے حالات پیدا ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے اور ان کے متعلق شرعی حیثیت سے سوالات بھی ہونگے۔ اسلام جو دین کامل ہے اور جس کے احکام اجتماعی و انفرادی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہیں اور جو قیامت تک کے لئے آخری مذہب ہے۔ اب اس مذہب کے لئے نہ اور کوئی نبی آئیگا نہ دوسری کتاب نازل ہوگی اس لئے اس کے مکمل ہونے کا اقتضا یہی ہے کہ ہر نئی ضرورت کے لئے اس میں جواب موجود ہو تاکہ ہر قرن میں "تبیاناً لکل شیئ" کا دعویٰ صحیح ثابت ہو سکے۔ اس لئے آج بھی اہل علم کے لئے اجتہاد کا دروازہ اُسی طرح کھلا ہے کہ وہ حالات و ضروریات کے لئے احکام جاری کرتے رہیں۔

❊ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ❊

قطعہ تاریخ

از سید احمد حسن۔ زیدی پینشنر سپرنٹنڈنٹ وزارت مال گورنمنٹ بھوپال

ہے برخود غلط آج ہر اک بشر — کہ ہے مادّہ پر اُسے اعتماد
ضلالت کا بازار ہے گرم آج — خدا پر کسی کو نہیں اعتقاد
یہ روحِ تنِ علمِ دیں کہتی ہے — کہ یارب خدا حافظ و خیر باد
اس آشفتہ دوراں میں خالدمیاں — لکھا تو نے کیا خوب یہ اجتہاد
احادیث و قرآن و اخبار سے — بتائے تمامی مضار و مفاد
خدا تجکو زندہ سلامت رکھے — رہے تو جہاں میں سدا بامراد

یہ الہامی تاریخ زہیؔ کی سنا
ہے الہامِ غیبی کتاب اجتہاد
۱۹۵۱ء

(کتبہٗ سید ضیاء الدین خوشنویس۔ ستمبر ۱۹۵۱ء)